عالمانہ، عارفانہ، عاشقانہ، تحریر

جمالِ وکمالِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر و ترتیب

حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی

بزمِ عشاق

جامع مسجد عمر رضی اللہ عنہ

نیو پٹھان والا، جھنگ روڈ، فیصل آباد موبائل نمبر: 55 17 666 0300

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

اما بعد

فاعوذباللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیك یا سیدی یا رسول اللہ

وعلی الك واصحابك یا سیدی یا حبیب اللہ

کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو محبوب کریم ﷺ کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔ کسی عارف کامل نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

لم یخلق الرحمن مثل محمد

ابدا و علمی انه لا یخلق

''نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے مثل محمد ﷺ کا کبھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا''۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

انما مثلوا صفاتك للناس

کما مثل النجوم الماء

''انہوں نے تیری صفات کی لوگوں کو صرف صورت دکھائی ہے۔ جیسا کہ پانی ستاروں کی صورت دکھاتا ہے''۔

☆ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کامل حسن ہمارے لئے ظاہر نہیں ہوا کیونکہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کے دیدار کی تاب نہ لاسکتیں۔ آپ ﷺ کا رخ تاباں' رخ انور جس کو قرآن مجید والشمس اور والضحیٰ فرماتا ہے۔ اس چہرہ مقدس کو جب کتب سماویہ کا عالم عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلی نظر دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے۔ وجهه لیس لوجهه کذاب ''ان کا چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں'' اور فوراً اسلام قبول کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا روئے مبارک جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔

☆ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے محبوب کریم ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ ﷺ سرخ دھاری دار حلہ پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کی طرف۔ بے شک آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

شمس و قمر ہوئے زلف مصطفیٰ ﷺ کے اسیر
خالق کائنات خود فرمائے سراج منیر

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو جان رحمت ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ گویا آپ ﷺ کے چہرہ میں آفتاب (سورج) چل رہا ہے اور جب آپ ﷺ ہنستے تھے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔ مارائیت شیاء احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان الشمس تجری فی وجھہ واذ ضحك یتلا لا نورہ فی اجدر۔

☆ ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت کپڑا سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی۔ میں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ میں نے یہ ماجرا آپ ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اے حمیرا الختی وعذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اس شخص کے لئے جو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا۔

بصر مصطفیٰ روشن ہے زنور خدا
فرمان خدا ہے مازاغ البصر وما طغی

ابصار مصطفیٰ ﷺ کے وصف وکمال کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ مازاغ البصر وماطغی "نگاہ بھکی نہیں اور نہ حد سے بڑھی" یعنی شب معراج میں آپ ﷺ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول وتجاوز نہ کیا کہ جن کے دیکھنے کے لئے آپ مامور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو ایسی غایت درجہ کی قوت و بصارت عطا ہوئی تھی کہ آپ ﷺ جس شے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفاء میں ہو اسے یوں ادراک فرماتے تھے کہ جس طرح وہ واقع اور نفس الامر میں ہوا کرتی۔

☆ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ محبوب دو جہاں ﷺ اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔

☆ حدیث صحیح (بخاری شریف) میں آیا ہے کہ محبوب کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

☆ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ محبوب کریم ﷺ نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو احادیث مذکورہ بالا میں رویت سے رویت عینی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی، اس طرح آپ ﷺ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔

اس حقیقت کو کما حقہ جاننے کے لئے فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی سے متعلق ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ محبوب کریم ﷺ کو (فتح مکہ کے موقع پر) عام فتح میں بیت اللہ کا طواف کرتے وقت فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب آپ ﷺ اس کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا فضالہ ہو؟ جواب دیا جی ہاں فضالہ ہوں یا رسول اللہ (ﷺ)۔ آپ ﷺ نے فرمایا ماذا کنت تحدث لنفسك "تم اپنے دل میں کیا بات کر رہے تھے؟" فضالہ نے جواب دیا کچھ نہیں میں اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ راوی کا کہنا ہے کہ یہ جواب سن کر محبوب کبریا ﷺ کو ہنسی آ گئی۔ پھر آپ ﷺ نے فضالہ سے فرمایا۔ اللہ سے استغفار کرو اور دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اس کا دل سکون میں آ گیا۔ چنانچہ فضالہ کہا کرتے تھے۔ خدا کی قسم آپ ﷺ نے دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا ہی تھا کہ اللہ کی ساری مخلوق میں ان سے زیادہ میرے لئے کوئی محبوب نہ تھا (سیرت النبی ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۹۴)۔

☆ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی میں بہت سے خواص ہوتے ہیں۔ نبی کے نفس میں وہ صفت ہے جس سے افعال عادات کے خلاف پورے ہوتے ہیں۔ نبی میں ایک ایسی صفت ہوتی ہے جس کے باعث فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے۔ جیسے بینا آدمی میں مثلاً ایک صفت ایسی ہوتی ہے جو اندھوں میں نہیں ہوتی۔ وہ یہ ہے کہ محسوسات کو دیکھ لیتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ نبی میں وہ خاصیت ہوتی ہے جس سے غیب کا حال اس کو بیداری یا خواب میں معلوم ہو جاتا ہے (احیاء علوم الدین جلد چہارم ۲۹۵)۔

بدون جبریل بھی دل کی باتیں جان جاتے تھے
حقیقت باطن سے آشنا ایسے کہ کافر مان جاتے تھے
تاثیر دست مصطفیٰ کی عجب شان تھی
قدرت خداوندی کی مظہر ہر آن تھی
کینہ و کفر سے دلوں کو پاک کر دیا
نور ایمان و عرفان سے انہیں بھر دیا
مردہ دلوں کو بارہا زندہ دل کر دیا
قلب فضالہ کو حب الہ سے بھر دیا
جان کیا' راہ خدا میں گھر کا گھر دیا
گھر کیا غلامان مصطفیٰ ﷺ نے سر پر سر دیا

آپ ﷺ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح مکہ مکرمہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھ کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی ﷺ کے بننے کے وقت آپ ﷺ کا مدینہ منورہ سے کعبہ مکرمہ کو دیکھنا۔ زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھنا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد

بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور آپ ﷺ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

☆ غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا۔ جسے محبوب کریم ﷺ نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا کہ میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' دوسری ضرب پر فرمایا کہ میں یہاں سے کسریٰ کا محل دیکھ رہا ہوں اور تیسری ضرب پر فرمایا کہ اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا ہوں۔

☆ اسی طرح جب غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے بڑی دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو جان کائنات ﷺ مدینہ منورہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔

☆ حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کمالات نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں روح میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے روح اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے۔ لیکن اس پہچان کے لئے روح کسی تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ محض دیکھ کر یا سن کر ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں؟ اس کا مبدا و منتہیٰ کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

کیونکہ دنیا کی کوئی شے اس سے محجوب نہیں ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کو عرش و فرش علو و سفل' دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ تو آپ ﷺ ہی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جانے والی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو اجرام کا سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے اور کیوں پیدا کیا گیا ہے اور اس کا منتہیٰ کیا ہوگا؟

آپ ﷺ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون سا فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کب پیدا کیا گیا کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا؟ اور آپ ﷺ کو ان کے اختلاف مراتب اور منتہیٰ درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو عالم علوی کے اجرام نیرہ کا بھی علم ہے۔ مثلاً ستارے' سورج' چاند' لوح و قلم' برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کو ساتوں زمینوں' ہر زمین کی مخلوقات اور بر و بحر کی تمام اشیاء کا علم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو جنت' اس کے درجات اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔

رحمت کائنات ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ قدیم ازلی علم سے مزاحم نہیں ہوتا' کیونکہ علم خداوندی کی معلومات لا انتہاء ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا' جس کی وجہ یہ ہے کہ اسرار ربوبیت اوصاف الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس سے اس عالم کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ کے علوم پر کچھ لوگ آئے دن اعتراضات کرتے رہتے ہیں اور عجیب و غریب موشگافیاں کرتے ہیں۔ ایک تبلیغی مصنف محمد پالن حقانی گجراتی (جس جماعت کے متعلق مشہور ہے کہ یہ فرقہ وارانہ بات نہیں کرتے' بھی تو ان

کی چال ہے کہ عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں' ساتھ چلا کر اور ملا کر عقائد کو بدلنے کی چال چلتے ہیں) نے یوں کہا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ کو علم غیب ہوتا تو (پہلی وحی کے نزول کے وقت) کیوں کپڑا اوڑھتے کیوں گھر میں چھپتے' کیوں آپ کو وحشت معلوم ہوتی' کیوں آپ ﷺ ورقہ کا مشورہ لیتے' کیوں آپ ﷺ فرشتے سے ڈرتے؟ یہ ساری باتیں علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے تھیں (شریعت یا جہالت صفحہ ۲۵۳)۔ اگر نام نہاد مبلغ کا مقصد صرف یہ ہے کہ سید العالمین' محبوب رب العالمین ﷺ کے علم وعرفان کی نفی کی جائے تو پھر حقیقت حال کا جائزہ بنظر عمیق لینا ہوگا۔ یہ بات تو ہر مسلمان پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سب سے پہلی وحی مبارکہ جو نازل ہوئی' اس کے ابتدائی کلمات اقرا باسم ربك الذی خلق ''اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا'' تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نزول وحی سے پہلے اپنے رب کی ذات وصفات سے واقف تھے یا ناواقف؟ اگر کوئی ناواقف' ناواقف خیال کرے تو اس ظلمت وتاریکی اور بت پرستی کے دور میں کیونکر ظاہری وباطنی آلائشوں اور آلودگیوں سے محفوظ رہے۔ پھر غار حرا میں عبادت کس کی کرتے تھے؟ آداب عبادت وریاضت کہاں سے سیکھے!

حبیب خالق ومالک کی معرفت حاصل تھی تو پھر مخلوق (فرشتے) سے دہشت اور خوف کا مفہوم! امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز کرنے والوں کے اعمال باطل ہونے کا اعلان فرما دیا گیا۔ تو پھر باطنی خباثت وبدعقیدگی سے لبریز موشگافیاں کر کے اپنے ایمان واسلام کو کامل سمجھنے والے کس قدر بدبختی کا شکار ہوں گے۔ عارفان حق پرست کی حقیقت کے معارف و اسرار اور عشق ومحبت سے مزین باتیں سماعت فرمائیں' نزول فیضان رحمان ہوگا' راضی امت کا پاسبان ہوگا' بخشش کا سامان ہوگا' خدا اور سول خوش تمہارا نہ کوئی نقصان ہوگا۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ سن کر جلنے والا بدبخت شیطان ہوگا۔

☆ حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے محبوب کریم ﷺ کو پہلی بار (پہلی وحی کے نزول کے موقع پر) تو اس لئے بھیجا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنا کر خدا کی ایسی ابدی رضامندی حاصل کریں۔ جس کے بعد کوئی ناراضی نہ ہو۔ دوسری بار بھیجا اس لئے تھا کہ جاہ محمدی میں داخل ہو اور آپ ﷺ کے جمال شریف کی پناہ میں آجائے اور تیسرے بار اس لئے بھیجا کہ آپ ﷺ کی امت میں شامل ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تمام ملائکہ رحمت دو جہاں ﷺ کے نور کا ایک جزو ہیں اور تمام ملائکہ اور مخلوقات کو معرفت کا فیضان آنحضرت ﷺ سے حاصل ہوتا ہے پھر محبوب کبریا ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس مقام پر تھے۔ جہاں نہ جبریل علیہ السلام تھے نہ کوئی اور اس وقت محبوب کریم ﷺ نے اپنے رب سے وہ انعامات حاصل کئے جو صاحب عظمت وجلال رب کی طرف سے محبوب کریم ﷺ جیسے حبیب کے لائق ومناسب ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے محبوب

کریم ﷺ کے نور سے جبریل ودیگر ملائکہ کو پیدا کیا۔

☆ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود جبرائیل' تمام ملائکہ اور تمام صاحب فتح اولیاء اللہ یہاں تک کہ جنوں کو بھی معلوم ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کو معرفت وغیرہ میں جو مقامات حاصل ہوئے وہ تمام محبوب کریم ﷺ کی برکت سے حاصل ہوئے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام محبوب کریم ﷺ کی محبت حاصل کئے بغیر اگر عمر بھر ان مقامات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تو ان میں سے ایک مقام حاصل نہ کر سکتے۔ لہذا جو نفع جبریل علیہ السلام کو پہنچا ہے اس کا علم خود جبریل علیہ السلام کو ہے یا صاحب فتح اولیاء اللہ کو ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تو صرف محبوب کریم ﷺ کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے۔

محبوب کریم ﷺ تمام موجودات میں سے سر اللہ (اللہ کا راز) ہیں اور تمام موجودات آپ ﷺ کی ذات سے مستفیض ہوتی ہیں۔ اس لئے آپ کو ان کے مشاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے اور جان رحمت ﷺ کا جسم دیگر اجسام کی طرح مٹی سے پیدا ہوا ہے اور یہ اپنے ہمشکلوں کے سوا دوسروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ لہذا جب راحت جاں ﷺ غیر جنس کی اشیاء کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو اس سے مانوس کر دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ فرشتوں کی صورتوں کو دیکھ کر ان اجسام کو دہشت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی شکل غیر معروف اور ان کے کئے ہاتھ' کئی پاؤں اور کئی چہرے ہوتے ہیں۔ مزید برآں ان کا پھیلاؤ اس قدر ہوتا ہے کہ تمام دنیا کو پُر کئے ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا علم صرف صاحب فتح کو ہوتا ہے اور جبرائیل علیہ السلام بھی صرف آپ کی ذات ترابیہ کے محافظ تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی روح کو چونکہ ان صور (صورتوں یا شکلوں) کا علم ہے۔ اس لئے وہ کسی سے نہیں ڈرتی۔ نیز فرمایا کہ جبریل علیہ السلام رحمت دوجہاں ﷺ کے محافظ صرف انہی امور میں ہیں۔ جو ان کی قدرت کے اندر ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ان امور میں جن کا علم انہیں ہے' مگر سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر جو ستر حجاب اور ملائکہ ہیں ان میں جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کا انیس (معاون وساتھی) نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ سدرۃ کے اوپر کے احوال کا مشاہدہ ان کے انوار کی قوت کے سبب جبریل علیہ السلام کی طاقت سے باہر ہے۔

بعض اوقات کسی چیز کے بارے میں رحمت دوجہاں ﷺ کا جبریل علیہ السلام یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھنا اور سوال کرنا محض اس بنا پر نہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے علم میں وہ بات نہ ہوتی تھی بلکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات محبوب کریم ﷺ مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ آپ ﷺ کی ذات پاک مع اپنے تمامی تعلقات اور اجزاء وعروق کے اس عالم سے بے تعلق ہو کر نور حق سبحانہ میں محو ہو جاتے۔ چنانچہ اس طرح آپ ﷺ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کی ذات غلطی سے محفوظ ہوتی اور حق کے سوا کوئی فعل صادر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی صدق کے سوا کوئی بات زبان سے نکلتی۔ کبھی محبوب کریم ﷺ ذات الہی کے مشاہدے

میں ہوتے اور کبھی محبوب کریم ﷺ ذات باری تعالیٰ کی قوت اور غلبۂ قدرت کے مشاہدے میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدے میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبۂ قدرت کے مشاہدے کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ ان دونوں مشاہدوں میں آپ ﷺ مخلوق سے غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے۔ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ پر خوف اور کپکپی کا طاری ہونا۔ آپ ﷺ کے باخبر اور علوم و معارف سے واقف ہونے کی بین دلیل ہے۔ بے علم اور بے خبر کو کسی قسم کا خوف ہونا بالکل بے معنی ہے۔ اللہ سے ڈرنا اور خشیت الٰہی کا نمایاں ظہور باخبر اور معرفت الٰہی کے حاصل لوگوں میں ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

☆ حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔ جو شخص حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام سنتا ہے اسے اسی قدر خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے کہ تمام اجزاء بدن اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ذات انسانی کے ہر جوہر کو علیحدہ علیحدہ اس قدر خوف تام لاحق ہے جتنا پورے انسان کو لاحق ہوتا ہے کہ ہر رگ اور اس کا ہر جز ولرزتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ پگھل جائے (خزینۂ معارف ترجمہ ابریز صفحہ ۲۱۵)۔

پہلی وحی کے نزول کے وقت کچھ گھبراہٹ اور اضطراب قدرتی امر تھا کیونکہ قبل ازیں اس انداز میں نزول کلام الٰہی نہیں ہوا تھا۔ کلام الٰہی کے نزول کی وجہ سے جسم مقدس پر بوجھ شدت سے پڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام وہ کلام ہے جو پہاڑوں پر نازل ہو جائے تو پہاڑ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کے ظاہر کرنے اور بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل نے اس بات کی تائید و تصدیق کی کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ ورقہ بن نوفل عیسائی تھے اور تورات اور انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ سن کر کہا تھا کہ یہ وہی ناموس و فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش کہ آپ نے حضرت تھانوی صاحب کی کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ کا مطالعہ کیا ہوتا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

☆ بیہقی اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں سات آٹھ برس کا تھا اور دیکھی سنی بات کو سمجھتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی نے یکا یک چلانا شروع کیا کہ اے جماعت یہود کی سو سب جمع ہو گئے اور میں سن رہا تھا۔ کہنے لگے تجھ کو کیا ہوا۔ کہنے لگا کہ احمد (ﷺ) کا وہ ستارا آج شب میں طلوع ہو گیا جس کی ساعت میں آپ ﷺ پیدا ہونے والے تھے۔

کیا ان واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی پیدائش کی خبریں دے رہے تھے اور آپ ﷺ کی نبوت کے منتظر تھے۔ انہیں کا ایک عالم ورقہ بن نوفل آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا برملا اعلان کر رہا ہے۔ تبلیغیوں کے نزدیک ورقہ بن نوفل باخبر تھا اور نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ من

ذالك) بے خبر تھے اور اعلان نبوت تک اپنی نبوت سے بے علم تھے۔ مگر ہمارا نبی اور رسول ﷺ تو وہ ہے جس کی نبوت مبارکہ کا اعلان واظہار ایک نابینا عیسائی کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ کی خبر بھی دے رہا ہے اور آج ہم دنیائے عیسائیت کو یہ بات بلا خوف وتردید کہنے میں حق بجانب ہیں کہ تمہارے راہبوں اور پادریوں نے امام الانبیاء سید المرسلین رحمۃ اللعالمین ﷺ کی نبوت کا اعلان کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری سنائی۔ مگر تم نے محض تعصب اور عناد کی بنا پر آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے گریز کیا۔ یہ امر بھی تسلیم شدہ ہے کہ وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوئی۔ جو کچھ آپ ﷺ رات خواب میں دیکھتے' بعینہ وہی ظہور میں آتا۔ چھ ماہ اسی حالت میں گزر گئے۔ کیا یہ خواب آنے والی منزل اور نبوت ورسالت ﷺ کی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی تعلیم وتربیت علم وحکمت اور حقیقت وعرفان سے خالی تھے۔ کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ بعض مسلمان مفکر یہ کہتے ہیں کہ نزول وحی سے ایک لمحہ پہلے تک بھی نبی ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ انہیں نبی بنایا جانے والا ہے۔ حالانکہ حالات وواقعات اس کی نفی کرتے ہیں۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو میرے نبی ہونے سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا تو آپ ﷺ اپنے متعلق کیا خیال فرماتے تھے کیا عام انسانوں کو پتھر سلام کرتے ہیں؟ بلکہ ثابت ہے کہ پتھر اور درخت تو نبی اور رسول ﷺ کو ہی سلام کرتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں محبوب کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا۔ ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے جو پہاڑ یا درخت آپ ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا السلام علیکم یارسول اللہ۔ صاحب تبلیغ بتایئے کہ محبوب کریم ﷺ اس وجہ سے ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تھے کہ اپنی نبوت ورسالت کے متعلق مشورہ کریں کہ آیا نبی ہوں بھی یا نہیں؟ محض اس لئے انکار کہ آپ ﷺ کو علم غیب نہیں تھا۔ اب تو اطلاع علی الغیب بھی بھول گئے۔

حجر وشجر تو قبل اعلان نبوت بھی کریں سلام — ہند کے مبلغیوں کو آج بھی ہے اس پر کلام
آفتاب نبوت کے انوار سے یہ بیزار ہے — بصر خرد ہے روشن اور دل ان کا بیمار ہے
روز میثاق سے جو انبیاء کا سردار ہے — منکر اس کے علوم کے' یہ ہمارا کردار ہے
محبت دل و جاں سے کر' رسول خدا ﷺ سے — محض عمل صالح نہ چھڑائے گا تجھے خدا سے
صرف عمل صالح تو تھا منافقوں کے پاس بھی — بدون تعظیم مصطفیٰ' نجات کی نہیں کوئی آس بھی

محبوب کریم ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف نہ لے جا سکے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ اسی طرح تین مرتبہ فرمایا۔ نادان کہتا ہے اگر محبوب کریم ﷺ کو علم غیب ہوتا تو بار بار کیوں پوچھتے کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں۔ پوچھنے کی وجہ وہی ہے

کہ آپ مشاہدۂ حق میں مستغرق تھے اور ادھر توجہ نہ تھی۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ عرش کی خبریں دینے والا فرش کی باتوں سے بے خبر اور بے علم ہے۔

سر عرش پر ہے تیری نظر' دل فرش پر تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

عالم اسباب میں نبی و پیغمبر بھی حتی الواسع اسباب سے کام لیتا ہے۔ اگر ہر کام معجزانہ طریق سے سرانجام دینا سنت و منشائے ایزدی کے مطابق ہوتا تو غزوات میں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت شامل نہ ہوتے اور گھر میں بیٹھ کر توجہ فرما دیتے اور صرف دعا فرما دیتے یا صرف فرشتے ہی اس کام کے لئے کافی تھے۔ اطلاع علی الغیب بھی معجزہ ہے۔ صاحب معجزہ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ظاہر کرے یا نہ کرے۔

☆ حضرت سیدنا علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صاحب معجزہ اختیار دیا گیا ہوتا ہے' چاہے اس کو ظاہر کرے اور چاہے نہ ظاہر کرے۔ معجزہ ظاہر کرنے کی ضرورت کفار کے سامنے ہوتی ہے۔ یا کسی کی طلب پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ صاحب نبوت اس امر سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ کس انسان کو کس انداز میں دعوت ایمان و اسلام دیتا ہے۔ جو لوگ دولت ایمان و اسلام دیتے ہیں۔ جو لوگ دولت ایمان و اسلام سے مالا مال ہو چکے ہوں۔ ان کے سامنے ہر وقت معجزات کا اظہار مقصد نبوت و رسالت نہیں ہے۔ یؤمنون بالغیب بھی متقین کی ایک صفت ہے۔

کوئی بات پوچھنا علم کی نفی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات علم اور خبر ہوتے ہوئے دوسرے کی تربیت و تعلیم' اصلاح' خیر اور دلجوئی کے لئے بھی پوچھی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ وما تلك بيمينك ياموسى "اے موسیٰ (علیہ السلام) تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے" کیا اللہ تعالیٰ کو خبر نہ تھی' علم نہ تھا؟ کیا خیال ہے؟

علیم و خبیر ہے اللہ اور یہ رسول خدا
رسول خدا سے علم نہ ہو گا کبھی جدا
خدا پوچھے فرشتوں سے بلا کر
کہاں سے آئے ہو تم محفل جما کر!
عرض کی تیرے بندوں نے مجلس سجائی تھی
ذکر تیرے کی جنہوں نے دھوم مچائی تھی
شب و روز حساب اعمال کا فرشتے لگائیں
کیا خدا پر بھی الزام بے علمی کا لگائیں
میزان پہ اعمال کے تولنے کی کیا حاجت
بے ادبوں پر ہے تنقید کی شامت

کچھ نادان لکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو کیوں پوچھتے کہ کون سی عورت اور کون سی زینت؟ کیا نبی اور رسول اسی لئے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں کہ ایک بات کو جانتے ہوئے بھی اظہار لاعلمی کریں۔ یہ کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جاننے کے باوجود آپ پوچھیں کہ کون سی عورت' کون سی زینت؟ مگر بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا (شریعت یا جہالت اضافہ شدہ صفحہ ۲۵۹)۔ یہ ہے تبلیغی جماعت کے ایک بڑے مبلغ کا عقیدہ جو بڑے شیریں زبان و خوش اخلاق و حلیم الطبع نظر

آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سنتوں اور احکام دین سے انہیں بڑا پیار ہے۔ مگر عشق و عظمت مصطفیٰ ﷺ سے ان کا دل بیزار ہے۔ ان کے تبلیغی نصاب میں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ عشق و محبت اور تعظیم و تکریم سے متعلق کوئی باب شامل نہیں ہے حالانکہ بقول اقبال رحمۃ اللہ:۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

اگر محبوب کریم ﷺ نہ پوچھتے تو ہمیں کیونکر پتہ چلتا کہ کون عورت آپ ﷺ کے پاس گئی اور کیا مسئلہ پوچھا؟ وما تلك بيمينك يا موسى کو پھر ذہن میں لا کر اپنے آپ سے سوال کریں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ پوچھے کہ اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا یا کوئی اور حکمت تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے۔ ان الله على كل شئى قدير کے تحت کہیں جناب کا تو یہ عقیدہ نہیں ہے؟ والله خير الماكرين ان کے پسندیدہ ترجموں کے مطابق تو اللہ تعالیٰ سب سے بہترین مکر کرنے والا ہے۔ تبلیغیوں کے ایک بڑے پیشوا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں۔ ''میرا حضرت حاجی صاحب (امداد اللہ مہاجر مکی) رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے (تذکرۃ الرشید جلد دوم)۔

حضرت حاجی صاحب کو اپنے مرید کی پل پل کی خبر تھی اور اسے اپنے مشوروں سے لحہ بہ لحہ نوازتے رہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر محبوب کریم ﷺ کی ذات گرامی کو اپنے بڑوں کے مقابلے میں کیا خیال کرتے ہو۔ ادھر تو کہتے ہو کہ آپ ﷺ وحی کے بغیر کچھ نہ جانتے تھے۔ لیکن یہ تو بتایئے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کون سی وحی نازل ہوتی تھی؟ تذکرۃ الرشید میں ہے کہ

بندگان خاص علام الغيوب — درجهان جان جو اسیس القلوب
پیش او مکشوف باشد سرِ حال — در درون دل در آید چون خیال

بندگان خاص علام الغیوب (غیب جاننے والے) ہیں۔ گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ''امام ربانی قدس سرہ کے تصرفات باطنیہ ایسے قوی ظاہر ہوئے کہ ان کی کنہ کا ادراک دشوار ہے اور چونکہ اس میں زیادہ دخل متوسل کی مناسبت و تعلق مودت کو ہے۔ اس لئے آپ کی قوت قدسیہ کے سامنے قرب و بعید اور حاضر و غائب اس انتفاع میں یکساں تھے (تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۰)۔ گنگوہی صاحب کے لئے تو قرب و بعد یکساں ہو مگر محبوب رب العالمین رحمت اللعالمین ﷺ کے لئے قرب و بعد (نزدیک اور دور) کا تفاوت پیدا کر دیا جائے۔ عجیب معیار ہے۔ حالانکہ عالم امر مقید بجہت و طرف و قرب و بعد نہیں ہے (امداد صفحہ ۵۹)۔ گنگوہی صاحب تو حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین

ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے (تذکرۃ الرشید جلد دوم)۔ جب تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور روح کے لئے قرب و بعد بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور تمام جسم میں ادراک تو پھر ان کا کیا؟ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو تمام اعتراض جاتے رہتے ہیں (امداد المشتاق صفحہ ۸۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ معترضین (اعتراض کرنے والے) عرفان سے خالی ہیں اور محض قالی ہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی (صاحب تقویۃ الایمان) لکھتے ہیں "وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور قبائح (گناہوں) کے حائل ہو جاتا ہے (صراط مستقیم صفحہ ۲۸۶)۔ شیخ و مرشد کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ مرید گناہ میں مبتلا ہونے والا ہے۔ کیا یہ غیب کی خبر نہیں۔ جبریل علیہ السلام تو آتا نہیں پھر خبر کیونکر ہو گئی۔ محبوب کریم ﷺ سراجاً منیرا (چمکا دینے والے آفتاب) آفتاب رشد و ہدایت شاہد و مبشر ہیں اور وکان فضل الله علیك عظیما (آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے) کے تاج والے ہیں۔ صاحب علم عظیم ہیں۔ کائنات میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی علوم خداوندی کا امین نہیں۔ آپ ﷺ کے علوم کی وسعتوں کا احاطہ کرنا مشکل اور محال ہے۔ ورفعنا لك ذکرك اللہ قادر و کریم کا ہی فرمان ہے۔ جس ہستی مبارک کو خود خالق کائنات بلند و بالا اور اعلیٰ وارفع کرے۔ اس ذات بابرکات کی رفعتوں کو کون گھٹا سکتا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے　　یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
ورفعنا لك ذکرك کا ہے سایہ تجھ پر　　بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور وہ تو اپنی خواہش سے بولتا ہی نہیں، وہ وہی کچھ کہتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس پر وحی ہوتی ہے"۔ یہ آیت کریمہ بصراحت اس نکتے کو بیان کر رہی ہے کہ رحمت دو جہاں ﷺ اپنی خواہش سے ایک لفظ بھی نہیں بولتے اور اس کی گفتار سراسر وحی الٰہی کے تابع ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر علم غیب ہوتا تو کیوں پوچھتے، پتہ ہوتا تو ایسے کرتے، یہ کرتے وہ کرتے، اس کی موشگافیاں درحقیقت حد سے تجاوز کرنا ہے اور ذات باری تعالیٰ پر اعتراض و تنقید کرنے کے مترادف ہے کہ اس نے اپنے نبی اور رسول ﷺ کو کیوں نہ بتایا؟ علم کیوں نہ دیا؟ خالق کائنات کے علم و حکمت سے بڑھ کر نظام کائنات میں اپنی ناقص عقل کو دخل دینا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر حقائق و معارف اور اسرار و رموز اور موقع و محل کا زیادہ علم تمہیں ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے تبلیغی صاحب پھر اپنی عقل و دانش کو کام میں لاتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ "سارا مدینہ حیران و پریشان تھا، ایک مہینہ تک کسی کو بھی علم غیب نہیں تھا"۔ اگر محبوب کریم ﷺ کو علم غیب ہوتا تو کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی صلاح لیتے اور بریرہ رضی اللہ عنہا سے کیوں پوچھتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے آپ ناراضگی کیوں ظاہر کرتے۔ آپ ﷺ ان کو توبہ کے لئے کیوں فرماتے۔ توبہ تو وہ کرے جس نے گناہ کیا ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس گناہ سے پاک تھیں۔ مگر بات دراصل یہ ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو یہاں تک نوبت اس بات کی نہ آتی (شریعت یا جہالت)۔

یہ عبارت آپ نے غور سے پڑھ لی۔ اب عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے توجہ فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کے علم غیب سے انکار کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کیا کیا گل کھلائے۔ نبی اور رسول ﷺ کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے (ہمارا اور تمہارا اور معاملہ ہے)۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ محبوب کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کے قبلہ بنائے جانے کا خیال پیدا ہوا تو فوراً دوران نماز قبلہ آپ ﷺ کی مرضی اور رضا کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔ وحی نازل ہوگئی قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنو لینك قبلة ترضها۔ خالق کائنات جو کہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ واقعہ افک سے خوب آشنا تھا پھر وحی کیوں نہ بھیجی؟ اس کی حکمت اور راز کو رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نہ کہ منکرین علم غیب۔ تبلیغیوں اور دیگر معترضین کے خیال کے مطابق تو ایک ماہ تک رب ذوالجلال کو بھی علم غیب نہ تھا؟ کیا خیال ہے۔ جہاں تک محبوب کریم ﷺ کو اس واقعہ کی حقیقت کے متعلق علم کا سوال ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ابھی واقعے کا علم نہ تھا کہ راحت جاں ﷺ لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ لوگو! ان لوگوں کو کیا ہو گیا' جو مجھے میرے اہل خانہ کے بارے میں ایذا پہنچا رہے ہیں' ان کی طرف غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے ان میں نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور جس آدمی کے متعلق یہ الزام لگاتے ہیں۔ اس میں بھی خدا کی قسم میں نے ہمیشہ خیر ہی دیکھی ہے۔ وہ جب بھی میرے گھر میں داخل ہوتا ہے تو میرے ساتھ داخل ہوتا ہے (سیرت النبی کامل ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳۵۷)۔

اس روایت کے متضاد جو روایت بھی ہوگی۔ قابل اعتبار نہ ہوگی۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک مقام پر محبوب کریم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور برءیت بیان فرمائیں اور دوسرے مقام پر شک و شبہ کی بات بیان کریں اور فرمائیں کہ "اگر تم اس بات میں پڑی ہو جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرو"۔ حاکم کائنات ﷺ کا کچھ عرصہ تک قطع تعلق کر لینا بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ ابن قیم فرماتے ہیں۔ "ایک روایت کے مطابق جان کائنات ﷺ نے ان سے کچھ دیر کے لئے مقاطعہ بھی کیا تھا لیکن یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی (زاد المعاد)۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنا بھی ہرگز علم غیب کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ خود حقیقی و مطلق عالم غیب خالق کائنات جل جلالہ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو اپنے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے صلاح ومشورہ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ وشاورھم فی الامر۔ کیا خود اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مشورہ دینے اور رہنمائی کے لئے کافی نہ تھا؟ وکفیٰ باللہ وکیلا "اور اللہ کافی ہے سازگار"۔ نعم المولیٰ ونعم الوکیل "اللہ تعالیٰ کو حقیقی وکیل مانتے اور جانتے ہوئے عدالتوں میں پھر وکیل کھڑے کر دیتے ہیں۔ تبلیغی منطق اس بارے میں کیا کہتی ہے۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے رب العزت کی زیارت کی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد (ﷺ)! ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس بات کے متعلق جھگڑ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو جو کچھ زمین وآسمان کے درمیان تھا سب کا علم مجھے حاصل ہو گیا۔ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ پس معلوم ہوا آپ ﷺ کو زمین و آسمان کی جملہ اشیاء کے متعلق علوم حاصل تھے۔ مگر ان کے بارے میں اظہار اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرماتے تھے۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کے بارے میں جو رحمت کائنات ﷺ کی ذات کو مطلع اور اپنے اختلافی معاملات میں بشرح صدر اپنا حکم تسلیم نہیں کرتے۔ بڑے واشگاف الفاظ میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ فلاوربك لایومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم "اے محبوب (ﷺ)! آپ ﷺ کے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپ ﷺ کو اپنے آپس کے جھگڑوں میں حکم تسلیم نہ کریں"۔ منصف کا یہ کام نہیں ہوتا کہ واضح شہادتوں اور ثبوت کے بغیر ہی یک طرفہ فیصلہ کر دے اور یہ معاملہ اور مسئلہ تو خود محبوب کریم ﷺ کے اپنے گھر کا تھا۔ فیصلہ سے متعلق تمام تقاضوں کو پورا کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس واقعہ کے چشم دیدہ گواہ نہ تھے۔ اس لئے فیصلہ خالق کائنات کی گواہی اور شہادت سے ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا۔ "جنہوں نے طوفان اٹھایا ہے وہ تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ اس تہمت کو تم اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے واقعہ افک کو مسلمانوں کے لئے بہتر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کے لئے فحاشی وبدکاری اور دیگر کئی سماجی اور ازدواجی مسائل کے متعلق احکام نازل ہوئے۔ لیکن تبلیغی اللہ تعالیٰ کی اس حکمت عملی اور خودمختاری کو چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہے۔ محبوب کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو یہاں تک نوبت اس بات کی نہ آتی۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

آپ ﷺ کی ذات گرامی تو تمام علوم اولین وآخرین کا سرچشمہ ہے۔ مگر جن لوگوں کا وطیرہ ہی ضد اور عناد ہو اور ان کے دلوں میں کدورت وفساد ہو وہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں "اگر وہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہ لائیں"۔

اے خزانہ دار علم اولین و آخرین اہل خرمن کو بھی دیکھا ہم نے تیرا خوشہ چیں
مانند شعاع شمس برہان تری ادراک بشر سے ہے ورا شان تری

الرحمن علم القرآن "رحمٰن وہ ہے جس نے (آپ ﷺ کو) قرآن سکھایا" اور اس قرآن مجید میں ہر خشک اور تر چیز کا ذکر ہے' پھر کون سی چیز آپ ﷺ سے پوشیدہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وہ غیب کا جاننے والا (اللہ) پس مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر وہ رسول (ﷺ) جس کو اس نے پسند کرلیا"۔ محبوب کریم ﷺ سے بڑھ کر بھلا خداوند کریم کو اور کون محبوب اور پیارا ہوگا۔ وہ محبوب جس کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین "بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہوتی ہے"۔

☆ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں ویکون الرسول علیکم شہیدا (سورۃ بقرہ رکوع ۱۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "تمہارا رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے مرتبہ سے مطلع ہے کہ وہ شخص میرے دین میں دینی لحاظ سے کس مقام تک پہنچا ہے اور اس کی ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ حجاب (رکاوٹ) کہ جس کی وجہ سے (دین میں) ترقی سے رک گیا ہے کون سا ہے؟ وہ تمہارے گناہوں' ایمان کے درجات' تمہارے نیک اور برے اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو بھی جانتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو ماکان و مایکون عطا فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جان رحمت ﷺ ہم میں (وعظ کے لئے) کھڑے ہوئے۔ اس میں آپ ﷺ نے جو کچھ قیامت تک واقع ہونے والا ہے سب بیان فرما دیا۔ اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور وہ بھلا دیا۔ جس نے بھلا دیا۔ اس واقع کا میرے یاروں کو بھی علم ہے۔ جو کچھ آپ ﷺ نے خبر دی۔ اس میں سے ایسی چیز واقع ہوتی ہے جس کو میں بھول گیا ہوں۔ جب اس کو دیکھتا ہوں تو یاد کر لیتا ہوں۔ جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا چہرہ بطریق اجمال یاد رکھتا ہے۔ جب کہ وہ غائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو اسے (بہ تفصیل وتشخیص) پہچان لیتا ہے۔

☆ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جان کائنات ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا پھر آپ ﷺ اتر آئے اور نماز پڑھی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ہمیں جو کچھ واقع ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے سب کی خبر دی۔ ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے وہ زیادہ عالم ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت دو جہاں ﷺ (اپنے دولت خانہ سے) باہر آئے اور آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم

جانتے ہو یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ (ﷺ)۔ مگر یہ کہ آپ ﷺ ہمیں بتا دیں۔ جو آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ اس میں بہشتیوں کے نام اور ان کے آباء وقبائل کے نام ہیں۔ پھر آخیر میں ان کا مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ پھر جو آپ ﷺ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ اس میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ پھر آخیر میں مجموعہ دیا گیا ہے۔ ان میں کبھی نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر اس امر سے فراغت ہو چکی تو عمل کس واسطے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنے عملوں کو درست کرو اور قرب الٰہی ڈھونڈو کیونکہ جو بہشتی ہے اس کا خاتمہ بہشتیوں کے عمل پر ہوگا' خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے' پھر محبوب کریم ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور دو کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو گیا۔ ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

☆ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

تناهت وصلة المسلمين بكفه
فلا العلم محبوس ولا الراى يفند

''آپ ﷺ کے دست مبارک مسلمانوں کی لکڑی نہایت مضبوط ہو گئی تھی پس آپ ﷺ کا علم محدود نہ آپ ﷺ کی رائے میں کوئی نقص نکالا جا سکتا تھا''۔

اقول ولا يلقى لقولى عائب
من الناس الاعازب العقل مبعد

''میرا دعویٰ ہے کہ لوگوں میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں مل سکتا جو میرے اس دعوے کو غلط ثابت کر سکے۔ بجز اس شخص کے جو عقل و دانش ہی سے بعید ہو''۔

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جان رحمت ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے آدمی کو بھی جانتا ہوں اور اسے بھی جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا (شمائل ترمذی باب ۳۵ صفحہ ۱۰۷ جسم مبارک)۔

اجود الناس ﷺ

دنیا میں آج تک کسی نے ایسا سخی دیکھا نہ سنا' جو خود کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائے بلکہ اکثر کئی کئی وقتوں کے فاقے کرتا ہو مگر دوسروں کا بھوکا رہنا ہرگز گوارا نہ ہو۔ ایک بار ایک فاقہ زدہ خدمت اقدس ﷺ میں حاضر

ہوا اور عرض کیا میں بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے کسی کو اپنے گھر بھیجا کہ ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہو تو لا کر دے دو۔ قاصد نے جواب یہ لا کر دیا کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے قاصد سے فرمایا کہ دوسری ازواج کے ہاں معلوم کر لیجئے۔ قاصد نے سب جگہ معلوم کر لیا یہی جواب تھا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا۔ آج کون ان کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس فاقہ زدہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ ایسے واقعات محبوب کریم ﷺ کی زندگی میں ایک یا دو بار نہیں گزرے۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی اسی طرح گزری ہے۔ جان رحمت ﷺ کی عطا فرمانے کی نشانی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سائل کو انکار ہی نہیں فرمایا۔ مانگنے والا بامراد گیا۔

لا سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

بلکہ جب دیا اتنا دیا کہ لینے والا حیران رہ جاتا اور اسے دوبارہ مانگنے کی ضرورت نہ رہتی۔ یہ آپ کی سخاوت کی خاص شان ہے۔ مدینہ کے اطراف میں ایک گاؤں میں ایک بدو نے کہا میں اتنا مانگوں گا کہ محمد ﷺ دے نہ سکے۔ جب مدینہ شریف کے قریب پہنچا تو یہ سوچ رہا تھا آخر میں کتنا مانگوں جو محمد ﷺ دے نہ سکے اور یہ ثابت ہو جائے کہ وہ انکار کر دیتے ہیں۔ مدینہ کے قریب اس نے بکریوں کا ایک ریوڑ دیکھا جو دو پہاڑوں کے درمیان بھرا ہوا تھا بدو نے اتنی بکریاں خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یہ تمام بکریاں مانگ لیں۔ حضور ﷺ نے بخش دیں۔ وہ یقین نہیں کر رہا تھا لیکن وہ جب اس ریوڑ کو لے کر گاؤں کی طرف بڑھا تو خوشی میں دیوانہ وار اچھل رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا محمد ﷺ جیسا سخی تو دنیا بھر میں نہ ملے گا وہ سب کچھ دے دیتے ہیں۔ اپنی غربت کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ تم بھی محمد ﷺ سے مانگ لو اور دولت مند ہو جاؤ میں اسلام قبول کر چکا تو بھی مسلمان ہو جاؤ۔

☆ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار میں ایک تھال میں تازہ کھجوریں اور چند روئیں دار خربوزے لے کر حاضر خدمت ہوئی۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی پسند کی چیز کا تحفہ لائی ہوں۔ رحمت دو جہاں ﷺ نے تحفہ قبول فرمایا اور مٹھی بھر کے سونے کے زیورات ان کو دے دیئے۔ فرمایا میری طرف سے یہ تحفہ (اپنی پسند کا) تم قبول کر لو۔ ایک بار ایک یہودی آیا اور اپنے قرض کی واپسی کا نہایت بداخلاقی سے مطالبہ کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے یہودی کو ڈانٹ دیا۔ ابھی وعدہ کے مطابق چار روز باقی تھے۔ جان رحمت ﷺ فرما سکتے تھے چار روز بعد آنا مگر آپ ﷺ نے تحمل سے سخت کلامی سہہ لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ڈانٹنے کے بجائے اس کو حسن اخلاق سے تقاضا کرنا سکھاتے اور مجھ کو نصیحت کرتے کہ وقت پر ادائیگی کر دوں یہ بات اور ہے کہ میں نے جو وعدہ کیا تھا اس مدت کے پورا ہونے میں چار روز باقی ہیں۔ پھر فرمایا عمر (رضی اللہ عنہ) اس کا قرضہ ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا تھا اس کو بیس صاع زیادہ دینا کہ تم نے اس کو ڈانٹا ہے۔

☆ مکہ میں قریش سب سے زیادہ باعزت قبیلہ تھا۔ ایک زمانے میں ابوسفیان اس قبیلہ کا سردار تھا۔ ایک

سردار کے لئے کسی سے امداد مانگنے کا تصور عجائبات میں سے تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ ہوازن اور حنین کی فتوحات سے زبردست مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے۔ اس وقت محمد ﷺ سے زیادہ مالدار کوئی نہیں۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضور ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کوئی بادشاہ بھی نہیں دیتا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اپنے پرائے سب کو دیتے ہیں۔ کسی کو منع نہیں کرتے۔ محبوب کریم ﷺ کے پاس گیا اور عرض کیا اس وقت آپ ﷺ سے زیادہ دولت مند کوئی نہیں' کچھ مجھے بھی دے دیجئے کہ میرے دن اچھے گزر جائیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سو اونٹ اور بیس اوقیہ چاندی ابوسفیان کو دے دی جائے۔ جو ایک دو اونٹ کی امید لے کر آیا ہو سو اونٹ سن کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ ہمت کر کے عرض کیا میرے بیٹے کو کچھ عنایت ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے بھی سو اونٹ اور بیس اوقیہ چاندی عطا کرنے کا حکم دے دیا۔ ابوسفیان لالچی تھا اور زیادہ ہوس ہوئی تو چھوٹے بیٹے کے لئے بھی عرض کیا اتنا ہی اس کو بھی دلوا دیا۔

ہاتھ جس سمت اٹھے بس غنی کر دیا

موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

محبوب کریم ﷺ کے غنی کرنے پر تو قرآن کی مہر لگی ہوئی فاغنهم الله ورسوله ''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ان کو غنی کر دیا''۔ آپ ﷺ کی سخائے عطا قیامت اور اس کے بعد بھی جاری رہے گی۔ بلکہ رحمۃ اللعالمین کے جلوے تو قیامت میں بہت نمایاں ہوں گے جب سارے انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اذهبوا الی غیری ''میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ'' کہہ رہے ہوں گے اور ٹھکرائے ہوؤں کو سہارا دینے والے فرما رہے ہوں گے انا لها' انا لها ' میں اسی کام کے لئے ہوں' میں اسی لئے ہوں''۔ آپ ﷺ کی سخاوت زندوں کے لئے محدود نہ تھی مردوں پر وہ کرم کیا جو کسی نے نہ کیا ہو۔ اعلان فرمایا اگر مومن اس حال میں مر گیا کہ وہ قرض دار تھا تو اس کا قرضہ ہم ادا کریں گے۔ جس نے خود نہ مانگا ہو اس کو بھی دے دیا اور آخرت کی گرفت سے آزاد کر دیا۔ ایسا سخی کوئی دکھا دے۔

دنیا کی ریت ہے مانگنے والا اظہار عاجزی کرتا ہے۔ اپنی مجبوریوں کا ذکر کرتا ہے رحم کی درخواست کرتا ہے۔ دینے والے کی بڑائی کرتا ہے خوشامد کرتا ہے دعائیں دیتا ہے۔ اگر مانگنے والا بدتمیزی کرے تکلیف پہنچائے اس پر کوئی رحم نہیں کھاتا بلکہ دھتکار کر دھکے دے کر بھگا دیا جاتا ہے۔ یہ دنیا کی ریت ہے سخیوں کے سرتاج کی یہ ریت نہیں ہے۔ ایک بے ادب کہتا ہے ''اے محمد ﷺ اللہ نے جو مال تجھ کو دیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی ایک اونٹ کا بار (ایک اونٹ پر جتنا وزن لادا جا سکتا ہے اتنی مقدار میں) اناج مجھ کو دے سرکار ذی وقار کے جسم اطہر پر جو چادر تھی اس کے کنارے موٹے اس بے عقل نے اتنے جھٹکے سے وہ چادر کھینچی کہ گردن مبارک چھل گئی۔ صحابہ تیور دیکھ رہے تھے تلوار کے دستہ پر ہاتھ تھا' چہرہ اقدس پر تکلیف کے آثار نظر آئے یا پیشانی مبارک پر خفگی کا اظہار ہوا تو گستاخ کا سر قلم کرنے میں دیر نہ ہو جائے۔ رحمت اللعالمین سید الاسخیا ﷺ کے چہرے انور پر وہی دائمی اور خوشگوار طمانیت نظر نواز تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا

سائل کو ایک اونٹ کا بار اناج دے دو۔ پھر فرمایا ایک اونٹ کا بار کھجوریں بھی دے دو۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں
اغنیاء پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ راستہ تیرا
آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

(مزید تفصیل ہماری کتاب "عطائے محبوب ﷺ" اور "واللہ یعطی اناقاسم" میں دیکھیں)۔

اخلاق محبوب کریم ﷺ

محترم قارئین کرام! جود و سخا عام طور پر ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں جود حقیقی یعنی بغیر کسی عوض اور غرض کے عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' اللہ تعالیٰ کے بعد محبوب کریم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ سخی ہیں' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی شخص سوال کرتا تو انکار نہ فرماتے' جو کچھ موجود ہوتا عطا فرماتے' اگر بروقت کچھ موجود نہ ہوتا تو خوش اسلوبی سے معذرت فرماتے یا قرض لے کر دے دیتے۔

☆ کسی کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں' تم میرے نام پر ضرورت کی چیز خرید لو مال آنے پر ہم ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی۔ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا" آپ (ﷺ) خرچ کیجئے اور اس بات کا خوف نہ رکھیں کہ رب عرش آپ (ﷺ) کے لئے تنگی فرمائے گا"۔ یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار دکھائی دینے لگے۔

☆ حضرت یحییٰ حضرمی نے بحرین کا خراج ایک لاکھ درہم بھجوایا' فرمایا کہ اسے مسجد میں رکھ دو' نماز سے فارغ ہو کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اور اس وقت اٹھے جب تمام مال تقسیم کیا جا چکا تھا۔ ایک درہم بھی باقی نہ رکھا۔ حنین کے موقع پر آپ ﷺ کی عطا بے حد و بے حساب تھی' کئی بدوں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ کئی کو ہزار ہزار بکریاں عطا فرمائیں۔ اس روز زیادہ تر مؤلفۃ القلوب کو نوازا تاکہ انہیں قوت ایمان حاصل ہو جائے' دو پہاڑوں کی درمیانی وادی اونٹ اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی وہ تمام صفوان ابن امیہ کو عطا فرما دیں' صفوان نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اتنی داد و دہش نبی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

☆ جان رحمت ﷺ کے خوان کرم سے کسے حصہ نہیں ملا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صداقت ملی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عدالت' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سخاوت' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شجاعت' یاران نبی کو صحابیت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو فقاہت' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حافظہ' تمام مسلمانوں کو دولت ایمان آپ ﷺ ہی کی بارگاہ سے ملی۔

☆ حضرت کعب ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو چادر اور ہم تمام مسلمانوں کو دولت

ایمان آپ ﷺ ہی کی بارگاہ سے ملی ہے۔

اے رضا یہ فیض ہے احمد پاک کا
ورنہ ہم کیا جانتے تھے خدا کون ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو نعمت وجود آپ ﷺ ہی کے طفیل ملی' تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ ﷺ ہی کے خوشہ چین ہیں اور قیامت کے دن تمام انسانیت آپ ﷺ ہی کی چشم کرم کی منتظر ہوگی اور فیض یاب ہوگی۔ آپ ﷺ کے دربار کرم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جہاں دوسری مرادیں حاصل ہوئیں وہاں انہیں خودداری اور عزت نفس بھی حاصل ہوئی' حدیث شریف میں ہے الغنی غنی النفس ''درحقیقت دولت خودداری کی دولت ہے''۔ آپ ﷺ نے حضرت حکیم ابن حزام کو فرمایا جہاں تک ہو سکے کسی سے سوال نہ کرو۔ اس کے بعد ان کی یہ حالت تھی کہ اگر وہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور ان کے ہاتھ سے چابک گر جاتا تو وہ کسی کو نہ کہتے کہ مجھے اٹھا کر دے بلکہ خود اتر کر اٹھاتے' یہ نعمت ہے جو دنیا بھر کی دولت دے دینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

معیار عدل وانصاف

راحت جاں ﷺ عدل وانصاف میں بے نظیر مقام رکھتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ انصاف وعدالت کا معیار ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا' آپ ﷺ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ عدل کیجئے'' کسی بھی معزز شخصیت کے لئے اس سے زیادہ سخت اعتراض نہیں ہو سکتا' لیکن آپ ﷺ نے کمال تحمل سے برداشت کیا اور فرمایا ویلك و من یعدل اذالم اعــدل ''تجھ پر افسوس!! اگر میں نے عدل نہیں کیا تو کون عدل کرے گا'' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کے طفیل دنیا میں انصاف قائم ہے۔ اگر آپ ﷺ کی ذات سے انصاف کی نفی کردی جائے تو روئے زمین پر کوئی بھی صاحب انصاف کہلانے کا مستحق نہ رہے گا۔

کسی شخص کا وصف میں کمال بیان کرنا ہو تو بطور محاورہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص عالم شیر خوارگی میں اس وصف سے موصوف تھا' لیکن محبوب کریم ﷺ سے تو حقیقتاً ان ایام میں عدالت کا ظہور ہوا' آپ ﷺ اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی دائیں جانب سے دودھ نوش فرماتے اور جب وہ بائیں جانب سے پلانا چاہتیں تو نہ پیتے' یہ آپ ﷺ کے عدل کی اعلیٰ مثال ہے کہ دوسری جانب کا دودھ اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیتے۔ حالت رضا ہو یا ناراضگی' سفر ہو یا حضر' سرزمین مدینہ ہو یا میدان جنگ' کبھی بھی آپ ﷺ سے مخالف انصاف فعل سرزد نہیں ہوا' جنگ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صفیں سیدھی کی جارہی تھیں' حضرت سواد بن غزیہ صف سے کسی قدر آگے نکل کر کھڑے ہیں۔ جان رحمت ﷺ نے ان کے سینے پر تیر مارتے ہوئے فرمایا استو سواد سواد سیدھے ہو جاؤ' انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مجھے بدلہ

دیکھئے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران رہ جاتے ہیں کہ اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ بدلہ لینے کا کونسا وقت ہے' پھر یہ کہ مسلمان تو محبوب کائنات ﷺ کے قدموں میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور حضرت سواد ہیں جو بدلہ لینے کی بات کر رہے ہیں اور وہ بھی اس لئے کہ انہیں فوجی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لئے کہا گیا تھا انہیں اذیت پہنچانا مقصود نہ تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور ﷺ سراپا عدالت نے اپنا گریبان کھول کر سینہ مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا' لو بدلہ لے لو' حضرت سواد رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے ہیں اور آپ ﷺ کے سینے سے لپٹ جاتے ہیں۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا' سواد تمہیں یہ کیا سوجھی؟ انہوں نے عرض کیا' حضور حالات آپ کے سامنے ہیں' میں نے سوچا زندگی کا کوئی پتہ نہیں اس لئے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ ﷺ کے جسد مبارک سے اپنا جسم مس کرلوں۔ محبت و وارفتگی کا یہ منظر دیکھ کر فرشتوں پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

ایک جج کے لئے یہ مرحلہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کا کوئی چہیتا مطالبہ کرے کہ قانون کے خلاف فیصلہ دے دو' زمانہ رسالت میں ایک خشعمیہ عورت نے چوری کی۔ قانون اسلام کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جانے والا تھا' قریش اس معاملے میں بہت پریشان تھے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ کون سفارش کر سکتا ہے' طے پایا کہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ ہی سفارش کر سکتے ہیں جو جان کائنات ﷺ کے منظور نظر ہیں' انہوں نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا تو ناراضگی سے آپ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ تبدیل ہو گیا' فرمایا' تم خدا کی مقرر کردہ حد میں سفارش کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ شام کے وقت آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔ "تم میں سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک کئے گئے کہ جب کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے' اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔ چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

صداقت وامانت

جان رحمت ﷺ کی زبان اقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس سے ہمیشہ سچ اور حق ہی صادر ہوا۔ حالت رضا ہو یا غضب کبھی غلط بات آپ ﷺ سے سرزد نہیں ہوئی' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں جو کچھ محبوب کریم ﷺ سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا' قریش نے مجھے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی وقت رضا کی حالت میں ہوتے ہیں اور کسی وقت غضب کی حالت میں اس لئے ہر بات نہ لکھا کرو۔ میں نے رحمت دوجہاں ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' لکھتے رہو اور اپنی زبان اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فوالذی نفسی بیدہ مایخرج منہ الاحق "اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اس سے صرف حق ہی صادر ہوتا ہے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی"۔

جس ذات اقدس پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہو اور جن کی زبان حق کی ترجمان ہو ان کی طرف کوئی صاحب عقل سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کی صداقت نبوت کی دلیلوں میں سے اہم دلیل ہے' آپ ﷺ نے بطور چیلنج ارشاد فرمایا۔ فقد لبثت فیکم عمراً من قبله "میں نے تم میں عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے"۔ مقصد یہ تھا کہ میرا سابقہ کردار تمہارے سامنے ہے' اس سے پہلے ساری زندگی میں' میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو آج عمر کے آخری حصے میں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے جواب میں کسی بھی کافر کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی' جس کا مطلب یہ تھا کہ واقعی ہم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ آپ ﷺ کی صداقت وہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی اس کا انکار نہ کر سکتے تھے' جب آپ ﷺ کا مکتوب گرامی شاہ روم کے پاس پہنچا تو اتفاقاً ابوسفیان بھی شام میں تھے' شاہ روم نے انہیں بلا کر چند سوالات کئے' ان میں سے ایک سوال یہ تھا "کیا تم دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹ کا الزام دیا کرتے تھے؟"۔ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ شاہ روم نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں تو جھوٹ نہ بولیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کہیں یعنی یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔

ایک مرتبہ ابوجہل نے کہا۔ ہم آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہتے' ہم تو اس دین کو جھٹلاتے ہیں جو آپ ﷺ لائے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فانهم لا یکذبونك ولکن الظلمین بایات الله یجحدون "بے شک یہ کافر تمہیں جھوٹا نہیں کہتے لیکن ظالم اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں"۔ محبوب کریم ﷺ کی دیانت و امانت بھی ان اوصاف میں سے ہے کہ مشرکین مکہ تمام تر مخالفت کے باوجود کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے تھے' اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی امانتیں اپنے ہم مذہب لوگوں کی بجائے آپ ﷺ کے پاس ہی رکھتے تھے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ ان کے نزدیک مکہ مکرمہ میں اگر کوئی امین تھا تو آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی تھی' یہاں تک کہ ہجرت کے موقع پر بھی مشرکین کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں' اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا "ایک ایک امانت اس کے مالک کے سپرد کر کے مدینہ منورہ چلے آنا"۔

حسن معاشرت اور مساوات محبوب ﷺ

جان رحمت ﷺ باوجود یہ کہ محبوب خدا ہیں' سید الانبیاء ہیں' تمام مخلوق الٰہی سے افضل و اعلیٰ اور قرب الٰہی کے سب سے بلند مقام پر فائز ہیں اس کے باوجود انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انتہائی تواضع اور انکساری کا مظاہرہ فرماتے' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "راحت جاں ﷺ اپنا جوتا مبارک خود درست فرما لیتے' اپنا کپڑا خود ہی سی لیتے' اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں کام کاج کرتا ہے' آپ ﷺ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر فرماتے تھے' اپنے کپڑوں کی خود دیکھ بھال فرماتے کہ کہیں کوئی کانٹا کوئی تنکا تو نہیں اٹکا ہوا' بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنا

کام خود انجام دیتے' غرض یہ کہ کسی طرح اپنی برتری نہ جتلاتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا' نہ خادم کو نہ عورت کو"۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری عمر آٹھ سال تھی' دس سال میں نے آپ ﷺ کی خدمت کی اس عرصے میں ایک دفعہ بھی آپ ﷺ نے مجھے سرزنش نہیں فرمائی' اگرچہ مجھ سے کوئی نقصان ہو جاتا' اگر اہل خانہ میں سے کوئی ملامت کرتا تو فرماتے اسے کچھ نہ کہو۔ جس چیز کی قضا آئی ہو وہ ہو کر ہی رہتی ہے۔

نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں' تکالیف کے ہجوم اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہر وقت آپ ﷺ کے لب ہائے مبارکہ پر دل نواز مسکراہٹ رہتی۔ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے تبسم میں محبوب کریم ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ اور اہل خانہ میں سے جو بھی آپ ﷺ کو پکارتا اس کے جواب میں فرماتے' لبیک' میں حاضر ہوں' کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے' ہر شخص کو توجہ اور التفات سے نوازتے کسی شخص کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ کسی کی قدر و منزلت ہے' اگر کوئی سرگوشی کرتا تو اس وقت تک اپنا سر مبارک نہ ہٹاتے جب تک وہ فارغ نہ ہو جاتا' جب کوئی مصافحہ کرتا تو اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچتے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔ کسی سے سخت کلامی نہ فرماتے' تیز آواز میں گفتگو نہ فرماتے' کسی کا عیب نہ نکالتے۔ نماز کے دوران کوئی شخص آ جاتا تو نماز مختصر فرما کر اس کی حاجت دریافت فرماتے اور اسے فارغ کر کے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے' مساکین کی عیادت فرماتے' فقراء کے ساتھ مجلس فرماتے' غلاموں کی دعوت قبول فرماتے' صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مخلوط ہو کر بیٹھتے۔ گاہے دراز گوش پر سواری فرماتے' حج کے موقع پر جس اونٹ پر سواری فرمائی اس کا پالان پرانا تھا اور اس پر پرانی چادر ڈالی ہوئی تھی۔ جس کی قیمت چار درہم سے زائد نہ تھی حالانکہ یہ آخری دور تھا جب کہ فتوحات کی کثرت تھی اور مال غنیمت کی فراوانی' لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر فقر کی زندگی اختیار فرمائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بعض اوقات خوش طبعی اور مزاح کی گفتگو فرماتے لیکن آپ ﷺ کی زبان مبارک پر حق کے علاوہ کبھی کوئی بات نہ آتی۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت مشفقانہ برتاؤ فرماتے' ایک دفعہ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا نے شوربا تیار کر کے بارگاہ رسالت میں بھجوایا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم بھی کھاؤ وہ شریک نہیں ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں سالن تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ وہ اس کے باوجود شریک نہ ہوئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سچ مچ ان کے منہ پر سالن مل دیا۔ محبوب کریم ﷺ نے مسکراتے ہوئے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ تم بھی ان کے منہ پر سالن مل دو چنانچہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ محبوب کریم ﷺ اس تمام کاروائی کے درمیان مسکراتے رہے اور کوئی مداخلت نہ کی۔

کروفر سے بے نیازی

رحمت دو جہاں ﷺ کو اللہ نے قدرتی رعب عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا آپ ﷺ کی خداداد ہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ اقدس میں اس طرح باادب ہو کر بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مجھے اتنا رعب دیا گیا ہے کہ دشمن ایک ماہ کی مسافت پر بھی ہو تو مرعوب ہو جائے' حالانکہ تکلف سے آپ ﷺ کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا' آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بے تکلفی سے تشریف فرما ہوتے کہ نو وارد آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا جب تک کسی سے پوچھ نہ لے۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ سفر میں صحابہ کرام کو آگے روانہ فرما دیتے اور خود پیچھے تشریف لاتے' کوئی کمزور یا مجبور پیچھے رہ جاتا تو اسے سہارا دیتے اور اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو جلوس کی صورت میں ساتھ لے کر نہیں چلتے تھے بلکہ دو آدمی بھی آپ ﷺ کے پیچھے نہیں چلتے تھے۔ صرف ایک خادم آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتا۔

مساوات محبوب کریم ﷺ

محبوب کریم ﷺ نے اس وقت درس مساوات دیا جب دنیا کے کسی گوشے میں اس کا تصور نہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا۔ ''یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے لہذا جو تم کھاؤ' انہیں کھلاؤ' جو تم پہنو انہیں بھی پہناؤ' انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو' اگر کسی ایسے کام کا حکم دو تو ان کی امداد کرو''۔ مسجد قبا کی تعمیر کے وقت سب سے پہلا پتھر لا کر محبوب کریم ﷺ نے رکھا۔ دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور تیسرا پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھا پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر لانے لگے' حضور ﷺ اتنے بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لا رہے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اسے اٹھانے سے قاصر رہتے تھے۔ دور اسلام میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی مسجد تھی۔ اسی طرح جب مسجد نبوی ﷺ تعمیر ہوئی تو اس میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس کام کیا۔ ایک سفر میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک بکری کا گوشت پکانے کا حکم دیا' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا' میں اسے ذبح کروں گا' دوسرے نے کہا میں اس کی کھال اتاروں گا' تیسرے نے کہا میں اس کا گوشت پکاؤں گا۔ رحمت دو جہاں ﷺ نے فرمایا میں ایندھن اکٹھا کر کے لاؤں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کام کرنے کے لئے ہم جو موجود ہیں۔ فرمایا مجھے علم ہے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تمہارے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھوں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے دوستوں کے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ مجھے عنایت فرمائیں تاکہ میں اسے درست کر دوں۔ فرمایا میں نہیں چاہتا کہ تمہارے درمیان ممتاز ہو کر رہوں اور کسی کو خدمت کا حکم دوں۔

نجاشی شاہ حبشہ کے چند نمائندے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے' جان رحمت ﷺ ان کی خدمت کے لئے خود اٹھے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ ہمیں حکم دیں ہم ان کی خدمت کرتے ہیں۔ فرمایا انہوں نے ہمارے ساتھیوں کی بہت خدمت اور تکریم کی ہے' میں چاہتا ہوں کہ خود انہیں بدلہ دوں۔ جنگ احزاب کے موقع پر مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودی گئی تو اس میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس کام کیا اور ایک سو پتھر اپنے دست مبارک سے توڑا جسے توڑنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عاجز رہ گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے بارگاہ رسالت میں بھوک کی شکایت کی اور پیٹ پر باندھا ہوا پتھر دکھایا تو آپ ﷺ نے شکم اطہر سے کپڑا اٹھا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

آپ ﷺ کا یہ فقر اختیاری تھا' اضطراری نہ تھا۔ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ نبوت کے ساتھ چاہیں تو فقر اختیار کریں اور چاہیں تو بادشاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نبوت کے ساتھ عبودیت کو پسند کرتا ہوں' ایک دن کھانا کھاؤں گا اور ایک دن خالی پیٹ رہوں گا۔

عوامی رابطہ

کسی بھی راہنما کے لئے عامۃ الناس کے ساتھ رابطہ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ جماعت کے اراکین کے دکھ درد میں شریک ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ان کا حوصلہ بلند رہے اور انہیں یہ احساس نہ ہو کہ ہمیں صرف اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہماری ذات کے ساتھ کسی کو دلچسپی نہیں ہے' مخالفین کے ساتھ رابطے اور حسن سلوک کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنا نقطہ نظر سمجھا کر قریب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بندۂ حلقہ بگوش ارننوازی برود
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

"زر خرید غلام کے جذبات کا پاس نہ کیا گیا تو وہ بھی بھاگ جائے گا' اتنی مہربانی کرو کہ بیگانہ بھی غلام بن جائے"۔

جان کائنات ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خیر و عافیت دریافت فرماتے رہتے' کوئی صحابی حاضر نہ ہوتا تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے' کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کرنے کے لئے تشریف لے جاتے' کسی غیر مسلم کا آپ ﷺ کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ہوتا تو اس کی بیمار پرسی کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی بچہ آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے' دیکھا کہ اس کا باپ اس کے سرہانے بیٹھا تورات پڑھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے یہودی! میں

تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل فرمائی ہے کیا تو تورات میں میری صفت اور مکہ سے نکل کر مدینہ میں آنا پاتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس کے لڑکے نے کہا' بخدا ہم آپ ﷺ کی صفت تورات میں پاتے ہیں اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں راحت جاں ﷺ نے چار درہم میں ایک قمیض خریدی جب آپ ﷺ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے تو ایک انصاری نے عرض کی۔ یارسول اللہ (ﷺ) یہ قمیض مجھے عنایت فرما دیں' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جنتی کپڑے پہنائے۔ آپ ﷺ نے قمیض اتار کر دے دی پھر دکاندار سے چار درہم میں ایک اور قمیض خرید لی' اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس دو درہم باقی تھے' راستے میں ایک کنیز رو رہی تھی' آپ ﷺ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا مجھے میرے مالک نے آٹا خریدنے کے لئے دو درہم دیئے تھے وہ کہیں کھو گئے ہیں' آپ ﷺ نے دو درہم اسے عطا فرما دیئے۔ اتفاقاً پھر اس طرف سے گزر ہوا تو وہ بیٹھی رو رہی تھی' آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں دو درہم تو مل گئے ہیں اب کیوں رو رہی ہے؟ اس نے کہا' مجھے ڈر ہے کہ مجھے مار پڑے گی' آپ ﷺ اسے ساتھ لے کر اس کے مالک کے دروازے پر تشریف لے گئے اور سلام کہا۔ گھر والوں نے آپ ﷺ کی آواز پہچان لی اور جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے دوسری اور تیسری بار سلام کہا تو انہوں نے جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے پہلی دفعہ سلام سنا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن ہم چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمیں زیادہ سے زیادہ سلام کہیں۔ یارسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان' آپ ﷺ کیسے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا اس خیال سے کہ کہیں تم اس کنیز کی پٹائی نہ کرو' اس کے مالک نے کہا' چونکہ آپ ﷺ اس کے ساتھ تشریف لائے ہیں اس لئے یہ خدا کی رضا کے لئے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی اور فرمایا' اللہ تعالیٰ نے دس درہموں میں اتنی برکت عطا فرمائی' اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نبی کو اور ایک انصاری کو قمیض پہنائی اور ایک کنیز کو رہائی عطا فرمائی۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کی کوئی بچی اگر آپ ﷺ کا دست اقدس پکڑ لیتی تو آپ ﷺ اس سے ہاتھ نہ چھڑاتے' وہ آپ ﷺ کو جہاں لے جانا چاہتی لے جاتی۔ آپ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی کی غلطی پر تنبیہ فرمانے کے لئے کسی سے بالمشافہ بات نہیں کرتے تھے اور نہ ہی نام لے کر نشاندہی فرماتے بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہو کہ وہ اس اس طرح کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا۔ ان من امن الناس علی فی صحبته و ماله ابوبکر "سب سے زیادہ میرے لئے اپنی صحبت اور مال خرچ کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں"۔

مدینہ طیبہ کے خدام صبح کی نماز کے بعد بارگاہ رسالت ﷺ میں برکت اور شفا کے حصول کے لئے پانی سے بھرے ہوئے برتن لیکر آتے کتنی بھی سردی کیوں نہ ہوتی' آپ ﷺ ہر ایک کے برتن میں ہاتھ

ڈال کرانہیں فیض یاب اور شادکام فرماتے۔

اعزاز اور حوصلہ افزائی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو تقویٰ و طہارت ایثار و قربانی' کا مظاہرہ کرتا یا تقویٰ و طہارت اور خلوص و للٰہیت کا ثبوت فراہم کرتا آپ ﷺ اس کی عزت افزائی سے دریغ نہ فرماتے۔

۱۔ عشرہ مبشرہ کو ان کے امتیازی اوصاف کی بناء پر جنت کی خوشخبری عطا فرمائی۔

۲۔ جنگ تبوک میں ساز و سامان کی بہت قلت تھی' محبوب کریم ﷺ نے مجاہدین کی امداد کے لئے اپیل کی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ بمع نمدہ اور پالان پیش کئے۔ آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے منبر سے نیچے تشریف لائے۔ ما علی عثمان ما فعل بعد هذاه "اس نیکی کے بعد عثمان جو بھی کریں گے ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا"۔

۳۔ رحمت دو جہاں ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' اس نے زیادہ قیمت کے لالچ میں انکار کر دیا کہ میں نے آپ ﷺ کے پاس بیچا ہی نہیں اور کہا کہ گواہ لائیں۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا محبوب کریم ﷺ کے پاس فروخت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خزیمہ (رضی اللہ عنہ) تم کس بناء پر گواہی دے رہے ہو (حالانکہ خریداری کے وقت تم موجود نہ تھے) انہوں نے عرض کیا آپ ﷺ کی تصدیق و تائید میں گواہی دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔ یعنی جہاں دو گواہوں کی ضرورت ہو وہاں صرف ایک خزیمہ کی گواہی ہی کافی ہے

۴۔ حنین کا مال غنیمت تالیف قلوب کے لئے قریش اور دیگر قبائل عرب کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا گیا۔ جسے انصار کے بعض افراد نے شدت سے محسوس کیا۔ مالک کائنات ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور ان سے خطاب فرمایا اور خطاب کے آخر میں فرمایا۔ "اے گروہ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لیکر جائیں اور تم رسول ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ؟ اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا' اگر لوگ ایک راستے پر چلیں تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر' ان کے بیٹوں پر' ان کے بابوں پر' ان کے پوتوں پر رحم فرما"۔ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی۔ فرط مسرت سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں' یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور انہوں نے بیک زبان کہا' ہم آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں اور اس پر خوش ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے حصے میں آ گئے ہیں۔

قارئین محترم! محبوب کریم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اور شمائل جمیلہ کا یہ بہت ہی مختصر اور مجمل تذکرہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس خلق کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اسے کوئی انسان کما حقہ بیان ہی نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

جان رحمت ﷺ کے اخلاق والطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی' غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی محبت و عقیدت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔

نگاہ محبوب ﷺ کی اعجازی شان

محترم قارئین کرام! حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔ ان اللہ زوی الی الارض فرایت مشارقہا ومغاربہا وان امتی سیبلغ ملکہا مازوی لی منہا (مسلم) ''زمین کے جتنے مشرق اور مغرب ہیں' اللہ تعالیٰ نے وہ تمام میرے لئے سمیٹ دیئے۔ چنانچہ میں نے ان سب کو دیکھ لیا جو جسے میرے لئے سمیٹے گئے ان کے کئی علاقوں تک میری امت کی حکومت پہنچے گی''۔ دوستو! کائنات ہستی میں نگاہ نبوت ہی کو یہ بے مثل اور انمول اعجاز حاصل ہے کہ اس کے سامنے مکان کے فاصلے مٹ جاتے اور زماں کی طنابیں کھنچ جاتی ہیں' ماضی و مستقبل کے امتیازات واعتبارات اپنا وجود کھو دیتے اور وقت کے منہ زور دھارے اپنا رخ بدل لیتے ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کی دوراندیش' حقیقت میں نورانی آنکھ' ماضی میں گزرے ہوئے اور مستقبل میں ہونے والے واقعات وحوادث کو حال کے اجالوں میں موجودات کی طرح دیکھتی اور پیش نظر مظاہر کی طرح مشاہدہ فرماتی ہے۔

قدسی نفوس انبیائے کرام علیہم السلام کو قدرت کا یہ ایک ایسا بیش بہا اور پرنور عطیہ اور بے مثل انعام ہے' جسے قرب ربانی اور خاص مقبولیت کی علامت کبریٰ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ قرب خاص کے لئے انعامات بھی خاص اور منفرد ہی ہوتے ہیں چنانچہ محبوب کریم ﷺ کی خاص اور عام محفلوں میں اس معجزے کا اظہار اس کثرت اور تواتر کے ساتھ ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے' کشف اور غیب کی باتوں سے آگاہ ہوتے اور پھر ان کے پورا ہونے کا عمل اور نظارہ کرتے ہی رہتے تھے۔

مختلف مقامات پر آپ ﷺ نے مستقبل میں جھانک کر جو غیبی خبریں دیں اور پھر وہ پیش گوئی کے مطابق پوری ہوئیں۔ ایسی اخبار غیب زمانیات کی ابتداء سے لے کر انجام کائنات کے ہر دور اور ان کے تفصیلی احوال کے بیان پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جنہیں پڑھ کر معمولی فہم وفراست کا ایماندار آدمی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ نبوی علم کے بحر زخار کی بے کرانے کا کیا عالم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو حقائق و معارف اور اسرار ورموز پر اطلاع کے ساتھ کیسی قدسی ونورانی نظر سے نوازا ہے۔ جس کے آگے ماضی و مستقبل کا دبیز حجاب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور سب کچھ شفاف آئینے کی طرح انعکاس پذیر ہو جاتا ہے۔

کتب احادیث کے وسیع دامن میں تاریخی واقعات اور قیمتی یادوں کے یہ انمول شاہکار موتی آج بھی محفوظ ہیں کہ صبح معراج' قریش کے مطالبہ پر نگاہ اٹھائی اور بیت المقدس کی نشانیاں گن کر بتا دیں۔ جنگ موتہ کی تفصیلات' مسجد نبوی ﷺ میں من وعن اس وقت بیان فرمائیں جبکہ مجاہدین معرکہ کارزار میں معروف

جہاد تھے اوران کی شہادت پر عین اس موقعہ پر آپ ﷺ مسجد نبوی میں آنسو بہا رہے تھے۔ ملک حبشہ میں پڑا ہوا نجاشی کا جنازہ سامنے ملاحظہ فرما کر پڑھا اور اسلامی غازیوں کے زیر نگیں آنے والے قیصرو کسریٰ کے وہ سارے علاقے ملاحظہ فرمالئے جو دور فاروقی میں مفتوح ہوتے تھے۔

واقعات بتاتے ہیں کہ مستقبل کے حوادث وفتن پر آپ ﷺ کی نظر تھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں الشرف النبی ﷺ علی اطم من اطام المادینه فقال هل ترون ماتریٰ انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم مواقع القطر ''جان رحمت ﷺ نے ایک ٹیلے کے اوپر سے دور خلاؤں میں گھور کر دیکھا اور فرمایا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو قطرہ ہائے باراں کے طرح سکنوں میں گریں گے''۔

یہ روز روشن کا واقعہ ہے کہ تودۂ ریگ پر کھڑے کھڑے آپ ﷺ نے آئندہ دور کے جانگسل اور پر خطر فتنوں کا مشاہدہ فرمایا اور یہ ایک شب تار کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کاشانہ قدسی میں استراحت فرماتے کہ دفعتا اٹھ بیٹھے اور دو انگلیوں میں حلقہ بنا کر فرمایا لا الـه الا اللـه ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج مثل هذه ''عرب کے لئے ویل ہے۔ شر قریب آ گئی ہے کیونکہ آج اس حلقے کے برابر یاجوج و ماجوج کی دیوار میں شگاف پڑ گیا''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ سـتـکـون فتنة القاعد فیها خیر من القـائم و القـائم فیها خیر من المـاشی و المـاشی فیها خیر من الساعی من استشرف لها یستشرفه ومن وحد ملجا اومعاذا فلیعذبه ''عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس میں بیٹھا ہوا شخص اس شخص سے بہتر ہوگا جو کھڑا ہو' کھڑا انسان چلنے والے سے اور وہ بھاگنے والے سے بہتر ہوگا جو ان فتنوں کو سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ ان میں پھنس جائے گا۔ اس لئے جہاں کسی کو پناہ گاہ نظر آئے وہ پناہ لے لے''۔ ایک روایت میں اس فتنے کے بارے میں یہ وضاحت ہے اللسان فیها اشـد من وقع السیف ''اس میں زبان کی کاٹ' تلوار سے زیادہ اذیت ناک اور سخت ہوگی''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت مستقبل کے حوادیث وحالات کے سلسلے میں بڑی ہی سادہ واضح اور معنی خیز ہے وہ فرماتے ہیں۔ اخبـرنی رسول الله ﷺ بمـا هـو کائن الی ان تقوم الساعة فما من شئی الافد مثالته ''حضور مخبر صادق نبی برحق ﷺ نے قیامت تک ظاہر ہونے والے تمام واقعات و حوادث کی مجھے خبر دی میں نے بھی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کے بارے میں سوال نہ کیا ہو''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ''راز دار نبی (ﷺ)'' کے لقب سے مشہور تھے' کیونکہ ان کا مزاج دیگر حضرات سے کچھ مختلف واقع ہوا تھا۔ یہ آئندہ کی غیبی باتیں معلوم کرنے کے بڑے رسیا اور دلدادہ تھے۔ مستقبل کے حالات معلوم کرتے رہتے۔ جس وجہ سے ان کے پاس غیر وقوع پذیر' غیبی خبروں کا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب کسی غیبی خبر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوتا وہ انہی کی طرف

رجوع کرتے اور جواب باصواب پا کر مطمئن ہو جاتے۔ یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی زبان سے اپنی شہادت کی کیفیت معلوم کی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ آپ کی شہادت کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔

اپنے اس علمی مشغلہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لوگ عموماً خیر و نجات اور برکت و سعادت کے متعلق استفسار کیا کرتے تھے' مگر میرے سوالات مستقبل قریب و بعید میں جنم لینے والی فتنہ آرائیوں' شر و فساد کی نقیب تحریکوں اور امن و امان تباہ کرنے والی شورشوں کے بارے میں ہوا کرتے تھے۔ میں چاہتا تھا ضلالت و گمراہی کے تمام خدوخال اور بد اعتقادی و ذہنی کجروی کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ ہو جاؤں تاکہ فتنہ انگیز تحریک میرے اعتقاد و نظریہ اور صراط مستقیم پر چلنے کے جذبہ صادق کو خراب در ہار اور متاثر نہ کر سکے۔ اپنے اسی ذہنی میلان کے باعث ایک روز میں نے دربار رسالت ﷺ میں عرض پیش کی' یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ دور جاہلیت کی خرافات میں مبتلا تھے' قدرت نے ہمیں ان لوہام واباطیل کے پھندوں سے نکال کر اسلام کی رہنمائی کی روشنی عطا کی اور خیر و فلاح کے خزانوں سے مالا مال کیا' کیا اس خیر کے بعد کسی شر کا اندیشہ ہے؟ جواب اثبات میں ملا۔

میں نے اس شر کے بعد دنیا میں خیر و عافیت اور امن و سکون کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے سوال کر دیا۔ جان کائنات ﷺ نے سوال در سوال کے باوجود کسی ناراضگی یا خفگی کا اظہار فرمانے کی بجائے اس شر کے بعد خیر کی صورت حال سے یوں مطلع فرمایا کہ خیر دنیا میں ظہور پذیر تو ہوگی مگر اپنی خالص شکل و صورت میں نہیں! اس دردآمیز خیر کے دور میں لوگوں کی حالت ملی جلی ہوگی' پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں قسم کے خصائل ان میں موجود ہوں گے۔ اب میرا سوال اسی "غیر خالص خیر" کے بعد کے دور سے متعلق تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب بھی پوری تفصیل کے ساتھ عنایت فرمایا کہ دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا "دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا وہ اسے دوزخ میں پھینک دیں گے۔ میں نے ایسے دعوت بازوں کی نشانیاں پوچھیں تو فرمایا۔ ان کی شکل و صورت ہمارے جیسی ہوگی۔ کتاب و سنت کی زبان میں بات کریں گے لیکن ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق اور سروکار نہیں ہوگا۔ اگر ایسے لوگوں کے ساتھ سابقہ پڑ جائے تو کسی قیمت پر ان کا ساتھ نہ دینا بلکہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ وابستہ رہنا اگر ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ ہو تو بھی ان کا ساتھ دینے کی اجازت نہیں۔ ان فرقوں سے الگ رہ کر تنہا زندگی گزار لو مگر ان کے شر سے بچو۔ یہ نبوی ارشادات اور مستقبل کے حالات کی واضح تفصیلات اس حقیقت ثابتہ کی شاہد عادل ہیں کہ نبوی ﷺ نگاہ زمان و مکان کے حجابات کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔

مشاہدے کے نفسیاتی اثرات

کامل مرشد طریقت کا اپنے مرید باصفا پر' باوقار باپ کا اپنے نیکوکار بیٹے پر' ملازموں کے حقوق ادا

کرنے والے مالک کا اپنی ملازموں پر' قابل استاد کا اپنے علم دوست شاگردوں پر خاصا دبدبہ اور گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ ان سے دبتے اور ڈرتے ہیں اور اگر پتہ چل جائے کہ وہ دیکھ رہے ہیں' تو ہاتھوں کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ وہ تن دہی اور انہماک سے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو اور انہیں ذوق وشوق سے دیانتداری اور توجہ سے کام میں لگا دیکھ کر مالک و آقا خوش ہو۔ مالک کی نگرانی اور نظر بڑی چیز ہے۔ ماتحت میں بجلیاں' شوق' لگن' فرض شناسی کا جذبہ اور مالک کی رضا حاصل کرنے کی خواہش پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اعبد ربك كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك ''اپنے رب کی عبادت کر' گویا تو اسے دیکھ رہا ہے' اگر یہ تصور نہیں کر سکتا تو کم از کم یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔

یہ اسی لئے فرمایا کہ جب بندے کو یہ خیال ہو گا کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے تو اس کی عبادت میں کوئی کوئی کمی' کجی' کوتاہی' سستی غفلت یا خامی نہیں رہے گی' وہ تمام ارکان بڑے رکھ رکھاؤ' استغراق اور آداب کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ مقصد پورا ہو جائے جس کے لئے عبادت شروع کی گئی ہے۔ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نمازیوں کے اندر بھی اس قسم کے جذبات پیدا کرنے کے لئے محبوب کریم ﷺ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی۔ ثم رقى المنبر فقال فى الصلوة وفى الركوع انى لا راكم من ورآء كما اراكم ''پھر آپ ﷺ منبر شریف پر چڑھ گئے اور فرمایا' نماز اور رکوع میں ہم تمہیں پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح آگے سے''۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا۔ هل ترون قبلتى همنا فوالله مايخفى على خشوعكم ولاركوعكم انى لا راكم من ورآء ظهرى ''کیا تم سمجھتے ہو ہم صرف سامنے کی طرف سے ہی دیکھتے ہیں' خدا کی قسم! تمہارا خشوع وخضوع اور تمہارے رکوع ہم سے مخفی نہیں' بے شک ہم تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتے ہیں''۔

تیسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا اقیموا الركوع والسجود فو الله انى لا راكم من بعدى وربما قال من بعد ظهرى اذا ركعتم و سجدتم ''رکوع و سجود ڈھنگ سے کیا کرو کیونکہ جب تم رکوع و سجود کرتے ہو تو خدا کی قسم! ہم تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتے ہیں''۔ چوتھی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا۔ يافلان الا تحسن صلوتك الا ينظر المصلى اذا صلى كيف يصلى فانما يصلى لنفسه انى والله لابصر من ورآنى كما ابصر من بين يدى ''اے فلاں! تو اچھی طرح نماز کیوں نہیں پڑھتا ہے؟ جب کوئی نمازی نماز پڑھتا ہے تو کیا غور نہیں کرتا کہ وہ کیسے نماز پڑھ رہا ہے؟ ہر کوئی اپنی ذات کے لئے نماز پڑھتا ہے اس لئے اچھی طرح پڑھا کرو خدا کی قسم! میں تمہیں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے''۔ پانچویں حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے' مگر دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے فرمایا۔ ذات يوم فلما قضى الصلوة اقل علينا بوجهه فقال ايها الناس!

انی اما مکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی "ایک دن محبوب کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر رخ پرنور ہماری طرف پھیرا اور فرمایا! اے لوگو! ہم تمہارے امام ہیں رکوع و سجود اور قیام و انصراف میں پہل نہ کیا کرو' بے شک ہم تمہیں آگے پیچھے سے یکساں دیکھتے ہیں"۔

اس موقعہ پر خلاف معمول آپ ﷺ نے قبلے کی طرف کچھ خصوصی اشارات فرمائے تھے۔ جن کو حاضرین نہ سمجھ سکے۔ اس لئے انہیں اچنبھا ہوا۔ آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کیا راز تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ رایت الجنۃ والنار "ہم نے جنت اور دوزخ کو دیکھا تھا"۔ والذی نفسی محمد بیدہ لو رایتم ما رایت لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا "خدا کی قسم! جس کے دست قدرت میں ہماری جان ہے' اگر تم دیکھ لیتے جو ہم نے دیکھا تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے"۔

ماضی و مستقبل نگاہ محبوب کریم ﷺ میں

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا۔ ھل ترون ما اری انی الفتن تقع خلال بیوتکم مواقع القطر "جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں' کیا تم بھی دیکھ رہے ہو' ہم دیکھ رہے ہیں کہ فتنے بارش کے قطروں کی طرح تمہارے گھروں میں گر رہے ہیں"۔

محترم قارئین کرام! ماضی میں جو کچھ ہوا ہے' اسے دیکھا جا سکتا ہے یا نہیں' اس کے متعلق سائنس کا جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ بے کنار آفاق' بلند بالا نیلگوں سماوات' لامحدود فضاؤں' شاندار کہکشاؤں اور درخشاں ستاروں والی اس وسیع و عریض کائنات میں چھوٹے بڑے' آج تک جو واقعات و حوادث رونما ہوئے ہیں' وہ اپنی تمام تر تفصیلات اور جزئیات سمیت اسی ترتیب کے ساتھ اس کائنات میں موجود ہیں' معدوم و ناپید نہیں ہوئے' اس پر اسرار کائنات کا غیر مرئی فضاؤں میں کچھ ایسی عجیب و غریب صلاحیت موجود ہے کہ جو کچھ یہاں وقوع میں آتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے اس کے نظر نہ آنے والے صفحات پر مرتسم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہابیل قابیل کی جنگ' طوفان نوح' فرعون کی غرقابی' انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کے واقعات اور بادشاہوں کی جنگیں' سب ان فضاؤں میں موجود ہیں اور اسی طرح تیر رہی ہیں جس طرح پہلے روز وجود میں آئی تھیں۔

اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ فضاؤں میں موجود حوادث کو فلمایا بھی جا سکتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ماضی کو پردہ سکرین پر پیش کر دیا جائے گا اور انسان اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھ سکے گا کہ کیا کچھ کس طرح وقوع میں آیا تھا۔ ماضی کو فلمانے کی سرتوڑ کوشش اس لئے بھی کی جا رہی ہے کہ اس سے جرائم کی تحقیق اور سراغ رسانی کی دنیا میں زبردست انقلاب آ جائے گا۔ جائے واردات کی فلم تیار کر کے دیکھا جا سکے گا اصل مجرم کون ہے؟ وہ کس طرح آیا؟ اور کیسے واردات کی؟ سائنس دان اس میدان میں کسی حد تک کامیابی حاصل بھی کر چکے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اسے دیکھ لینا اور ماضی میں

جھانک لینا ایسی چیز نہیں جسے ناممکن قرار دیا جا سکے بلکہ ایک ممکن اور وقوع میں آ سکنے والی چیز ہے۔ ماہرین جو کوشش کر رہے ہیں اس میں انہیں کہاں تک کامیابی ہو گی یہ بعد کی بات ہے لیکن روحانی نقطۂ نظر سے جو حقیقت ثابتہ ہے وہ یہ ہے کہ قدرت نے انسان میں ایک نظام رکھ دیا ہے اگر وہ اسے بے ریا عبادت' پر خلوص تقویٰ و طہارت کے ذریعے جاری کر لے اور اپنے رب کا فرمانبردار بندہ اور محبوب کریم ﷺ کا سچا پیروکار امتی بن جائے تو ماضی و مستقبل کے حجابات اس کی نگاہوں سے اٹھا دیئے جاتے ہیں' وہ گزرے ہوئے اور آنے والے زمانوں میں جھانکنے لگ جاتا ہے اور اس کے لئے سب کچھ زمانہ حال میں سمٹ آتا ہے۔ محبوب کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

لو لا ان الشیطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السمآء "اگر انسانوں کے دلوں پر شیاطین کا ہجوم نہ ہوتا تو وہ آسمانی کائنات کو دیکھنے لگ جائیں"۔ تقویٰ و طہارت کی عدم موجودگی میں انسانی دلوں پر شیطانوں کا ہجوم ہوتا ہے اگر انسان محنت کر کے حرص و آز' خودسری و بغاوت' حسد و عداوت' بغض و نفرت' خود غرضی و خیانت اور ہوا و ہوس کی اطاعت سے نجات حاصل کر لے تو یہ ہجوم چھٹ جاتا ہے اور دل بصیر و دانا ہو جاتا ہے اور نگاہ ماضی و مستقبل کے پردوں کو چیرنے لگ جاتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے نورانی دل سب مخلوق سے زیادہ بصیر ہوتے ہیں اس لئے ماضی و مستقبل کا وہ سب سے زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ وانبئکم ما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم "تم جو کچھ گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو اور جو کچھ کھا کر آتے ہو وہ سب تم کو بتا سکتا ہوں"۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ وکذلک نری ابرآھیم ملکوت السموت والارض "اور اسی طرح ہم ابراہیم (علیہ السلام) کو زمین و آسمان کی بادشاہت اور ملک کا مشاہدہ کراتے رہتے ہیں"۔

ہمارے دانا و بینا' اور بصیر و خبیر نبی کریم ﷺ نے خدا کی عطا کردہ علم و فضل کی بدولت گہری تفصیلات کے ساتھ ماضی و مستقبل کے ایسے ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں ادنیٰ تامل اور معمولی غور و فکر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مشاہدے اور رویت کے بغیر ایسی تفصیلات کا ذکر ممکن نہیں۔ وہی شخص ایسی علامتوں اور نشانیوں کے ساتھ واقعات بیان کر سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے مناسک حج ادا کرنے کے واقعات خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ اسی طرح مستقبل کے حوادث کے بارے میں آپ ﷺ نے جس طرح نشاندہی فرمائی اور ان کی نشانیاں بتائیں یہ بھی قابل غور ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مشاہدے پر مشتمل یہ سب چیزیں ترتیب وار پیش کی جاتی ہیں۔

ماضی کا مشاہدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے وجیہہ و توانا اور پر جلال پیغمبر تھے۔ اپنے زمانے میں جب آپ علیہ

السلام حج کرنے کے لئے آئے تو سرخ اونٹ پر سوار تھے۔ پہلے آپ وادی ازرق میں اترے اور پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا گذر وادی ہرشی سے ہوا تھا۔ یہ ایک ٹیلے کے دامن میں اونچی جگہ کا نام ہے۔ اس وقت آپ نے اون کا لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا اور اونٹنی پر سوار کھجور کی چھال کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات زمانہ ماضی میں حج کر چکے تھے۔

جب راحت جاں ﷺ حج کے دنوں میں اپنے قدسی صفات پاک نہاد اور مخلص دوستوں کے ہمراہ وادی ازرق اور مقام ہرشی کے قریب سے گزرے تو ان مقامات کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا جب آپ ﷺ نے کچھ انکشافات فرمائے تب حاضرین کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ تو ماضی کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور نگاہ مبارک گذشتہ واقعات پر جمی ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ وادی ازرق میں مالک کائنات ﷺ نے فرمایا۔ کانی انظر الی موسیٰ هابطامن الثنیة وله جوار الی الله بالتلبیة ''گویا ہم موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہے ہیں وہ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور بلند آواز سے تلبیہ پڑھ رہے ہیں''۔ دوسری روایت میں کچھ مزید تفصیلات ہیں اما موسیٰ فرجل آدم جعدا علی جمل احمر مخطوم بخلبة کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی ''بہر حال موسیٰ علیہ السلام تو وہ گندمی رنگت والے مضبوط جوڑ بند کے انسان ہیں' سرخ اونٹ پر سوار ہیں' جس کی ناک میں کھجور کی نکیل ڈالی ہوئی ہے' گویا ہم انہیں دیکھ رہے ہیں' جبکہ وہ وادی میں اترے تھے''۔ جب حضور ﷺ آگے بڑھے اور وادی ہرشی میں پہنچے تو فرمایا ای ثنیه هذه ''یہ کونسی گھاٹی ہے؟''۔ عرض کی یارسول اللہ (ﷺ)! یہ ہرشی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ کانی انظر الی یونس بن متی علی ناقة حمراء جعدة علیه جبه من صوف خطام ناقته خلبه وهو یلبی ''گویا ہم حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہے ہیں' وہ سرخ قوی اونٹنی پر سوار ہیں' جس کی مہار چھال کی بنی ہوئی ہے' خود انہوں نے اون کا جبہ پہنا ہوا ہے اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں''۔

مختصر تشریح

ایک مرتبہ محبوب کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی انگلی مبارک میں انگوٹھی چمک رہی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ چمک بہت پیاری لگی اور ان کے ذہن میں نقش ہو گئی۔ بعد میں کبھی یہ واقعہ بیان کرتے تو کہتے۔ کانی انظر الی وبیص خاتمه صلی الله علیه وسلم ''گویا میں اب بھی حضور ﷺ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں''۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی مانگ میں خوشبو چمک رہی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بہت پیاری لگی بعد میں آپ جب کبھی یہ تذکرہ فرمائیں تو یوں کہتیں۔ کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارقه صلی الله علیه وسلم ''گویا میں اب بھی آپ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جس منظر کا انسان نے مشاہدہ کیا ہوا ہو بعد میں صرف

اسی کے بارے میں وہ کہہ سکتا ہے گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں' کیونکہ وہ ذہن میں نقش ہوتا ہے اگر کوئی واقعہ انسان نے دیکھا ہوا نہ ہو تو اس کے بارے میں درست تفصیلات نہیں بتا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

اہل نظر فرماتے ہیں۔ جان رحمت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے اپنے دور میں حج کرتے نہیں دیکھا تھا پھر کیسے فرمایا ''گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں'' اور ساتھ ہی ان کے تفصیلی حالات بھی بیان کئے۔ ایسی تفصیلات مشاہدہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کا انہوں نے جواب دیا ہے کہ اس وقت محبوب کریم ﷺ ماضی میں جھانک رہے تھے اور ان حضرات کو اپنے اپنے زمانے میں اسی طرح حج کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ جس طرح انہوں نے کیا تھا۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ انــه اری احوالهم التی کانت فی حیوتهم ومثلوا له فی حال حیوتهم کیف کانو؟ وکیف حجهم وکیف تلبیتهم ''حضرت موسیٰ اور حضرت یونس (علیہم السلام) کی زندگی میں جس ہیئت و شکل میں حج کرنے کے لئے آئے اور جیسے حج کیا اور تلبیہ پڑھا یہ سب کچھ محبوب کریم ﷺ کو دکھا دیا گیا۔

مستقبل کا مشاہدہ

اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں مستقبل کے مشاہدے اور علم کا ذکر ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ جان کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ کے ٹیلوں سے جھانک کر دیکھا پھر جو ارشاد فرمایا تو اس سے واضح ہوا کہ مالک کائنات ﷺ اس وقت مستقبل کو جھانک رہے ہیں اور آنے والے واقعات اپنی شکل میں حضور ﷺ کے پیش نظر ہیں۔ فرمایا هل ترون ما اری انی لا ری الفتن تقع خلال بیوتکم مواقع القطر ''جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ فتنے قطرات باراں کی طرح تمہارے گھروں میں گر رہے ہیں''۔ قیامت کے قریب وقوع میں آنے والے ایک فتنے کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ قیامت کے قریب لوگ احترام کعبہ سے ناآشنا ہو جائیں گے جب ہر طرف ایسے ہی لوگوں کا تسلط ہو گا تو ایک حبشی کعبہ معظمہ کی اینٹیں اکھاڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور ایک ایک پتھر علیحدہ کر دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ راحت جاں ﷺ نے فرمایا۔ یخرب الکعبة ذوالسویقتین من الحبشة ''کعبہ کو چھوٹی چھوٹی لاغر پنڈلیوں والا ایک حبشی منہدم کرے گا''۔ اسی حبشی کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کانی بہ اسود افحج یقلعها حجر حجرا ''گویا ہم اس کالے کلوٹے کو دیکھ رہے ہیں وہ ٹانگیں پھیلا کر چلتا ہے یعنی 'ڈڈا' ہے اور کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے''۔ دیکھے بغیر شکل وصورت اور کیفیت اس انداز سے بیان نہیں ہو سکتی' یہ تشریح و تفصیل بتاتی ہے کہ مستقبل کا یہ بدبخت متشکل ہو کر سامنے آ گیا تھا' جسے دیکھ کر آپ ﷺ نے بتا دیا کہ قیامت کے قریب یہ اس قسم کی نامبارک حرکت کرے گا۔ ماضی و مستقبل کے علم سے بہرہ ور ہونے

اوران پر نظر رکھنے کے بارے میں اتنی احادیث وتفصیلات اور اتنے واقعات ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے واقعات دیکھ کر ایمان تازہ کرتے اور احادیث سنتے رہتے تھے' پھر جب ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق وہی بات وجود میں آتی تو اسے دیکھ کر انہیں یاد آ جاتا۔ مالک کائنات ﷺ نے یہ بات بھی بتائی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضور سرور کائنات دانا و حکیم ﷺ نے ماضی و مستقبل پر علم و نظر رکھنے کے سلسلے میں ایک بڑا مفصل جامع اور بلیغ خطبہ دیا جو سارا دن جاری رہا اور اس میں آپ ﷺ نے ماضی و مستقبل کو حال کے آئینے میں بند کر کے رکھ دیا۔ یہ علم و معرفت اور نور بصیرت کا ایسا سمندر تھا جو ٹھاٹھیں مارتا ہوا جس سینے میں داخل ہوا وہی سب سے زیادہ عالم بن گیا۔ یہ اعجاز بلاغت تھا کہ ماضی و مستقبل پر پھیلے ہوئے اتنے علوم و حالات کو ایک ہی دن میں بیان کر دیا۔ اس خطبے کی تفصیلات مختلف احادیث میں اس طرح ہیں۔

حضرت ابن اخلب رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا ''محبوب کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا آپ ﷺ منبر سے اترے ظہر کی نماز پڑھا کر پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور عصر تک خطبہ دیا پھر نیچے اتر کر نماز عصر پڑھائی اور اس کے بعد پھر منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ دیا تا آنکہ سورج غروب ہو گیا''۔

ماضی میں جو کچھ ہوا تھا اور مستقبل میں جو کچھ ہونے والا تھا اس طویل خطبہ میں آپ ﷺ نے ہمیں وہ سب کچھ بتا دیا۔ ہم میں بڑا عالم وہ سمجھا جاتا ہے جسے یہ خطبہ سب سے زیادہ یاد ہو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما ترك سيايكون فى مقامه ذالك الى قيام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه وانه ليكون منه الشئى قدنسيته فاراه فاذكره ''ایک دن محبوب کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے قیام فرما ہوئے جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا وہ سب آپ ﷺ نے اس جگہ بیان کر دیا۔ جس نے اس خطبہ بلیغ کو یاد کر لیا سو کر لیا اور جو بھول گیا سو بھول گیا' اس خطبہ میں بیان کردہ کوئی واقعہ جب وقوع پذیر ہوتا ہے تو اسے دیکھ کر مجھے یاد آ جاتا ہے کہ جان رحمت ﷺ نے یہ بھی بیان کیا تھا۔ حالانکہ پہلے میں اسے بھول چکا ہوتا ہوں''۔

﴿ اختیارات محبوب کریم ﷺ ﴾

ارشاد خداوندی ہے۔ ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے'' (سورۃ آل عمران ۹۷)۔ اس فرمان

خداوندی کے مطابق قیامت تک پوری دنیا کے صاحب استطاعت لوگوں پر حج کرنا لازم قرار پایا۔ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پوری زندگی میں جب بھی کوئی انسان صاحب استطاعت ہوا' اس پر حج فرض ہو گیا۔ لیکن نبی مختار و رؤف و رحیم ﷺ نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے فرما دیا کہ حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور ساتھ اپنے اختیارات کا اظہار فرماتے ہوئے یہ بھی فرما دیا کہ ''میں نے زندگی میں ایک بار کہا تو ایک بار فرض ہو گیا اگر میں ہر سال کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا'' (مسلم شریف جلد ا صفحہ ۴۳۲ باب فرض الحج مرۃ فی العمر) جب کوئی ایمان والا حج کی حاضری کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اگرچہ قرآن پاک کی طرف سے کوئی قید نہیں ہے لیکن محبوب کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات سے حکم صادر فرما دیا کہ مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والے حاجی ''ذوالحلیفہ'' سے احرام باندھیں' شام کی طرف سے آنے والے ''جحفہ'' سے نجد کی طرف سے آنے والے ''قرن المنازل'' سے اور یمن کی طرف سے آنے والے ''یلملم'' کے مقام سے احرام باندھ کر حج یا عمرہ کے لئے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوں (بخاری کتاب الحج باب مہل اہل مکہ حج والعمرۃ) اور کم از کم اتنی آواز سے کہ خود سن سکیں تلبیہ کہنا شروع کر دیں یعنی لبیک اللھم لبیک..... الخ۔ پاکستان بھی چونکہ یمن کی طرف ہی پڑتا ہے لہذا یہاں سے جانے والے حاجی صاحبان بھی یلملم ہی سے احرام باندھتے اور حج یا عمرہ کی نیت کرتے ہیں (ہوائی جہاز پر جانے والے سوار ہونے سے پہلے ہی احرام باندھ لیتے ہیں کیونکہ جہاز میں اتنے مسافروں کے لئے یہ عمل ناممکن ہوتا ہے البتہ جب جہاز میقات یعنی یلملم کے قریب پہنچتا ہے تو جہاز کا عملہ اطلاع دے دیتا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی نیت کر لیتا ہے) اور اگر کسی طرف سے بھی آنے والا کوئی بھی شخص حج یا عمرے کے ارادے سے آ رہا ہو لیکن اپنے میقات سے بغیر احرام باندھے آگے گزر جائے تو وہ گنہگار ہو گا اور بطور کفارہ اسے ایک دم (ایک جانور حرم شریف میں جا کر ذبح کر کے بانٹنا) لازم ہو گا بلکہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا حج یا عمرہ ادا ہی نہیں ہو گا (تیسیر الباری ۲ صفحہ ۱۱۱ حاشیہ ۴)۔

اب احرام کیا ہے؟ دو سفید سوتی ان سلی چادریں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمائیں بلکہ نبی مختار ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات سے خود ہی مقرر فرما دی ہیں اور فرمایا احرام والا شخص نہ کرتہ پہنے نہ پاجامہ (یا شلوار یا سلا ہوا تہبند) نہ عمامہ (بلکہ ننگا سر رکھے حتیٰ کہ اگر احرام کی حالت میں مر بھی جائے تو بھی اس کو ننگے سر ہی دفن کیا جائے گا (بخاری ا کتاب المناسک باب المحرم یموت بعرفۃ) اور نہ موزے (یا بند جوتے) اور فرمایا عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے (بخاری ا کتاب المناسک باب ماینھی من لاطیب للمحرم)۔ فرمان خداوندی (بقرہ ۱۹۶) کے مطابق سر میں کنگھی کرنے اور جوئیں مارنے سے تو منع کر دیا بلکہ اس کے کفارے میں بھی قرآن پاک نے صرف ''روزے'' فرمایا تو آپ ﷺ نے اپنی طرف سے تین روزے فرما دیا۔ قرآن نے صرف ''صدقہ'' فرمایا مگر آپ ﷺ نے اپنی طرف

سے چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع یعنی ایک فرق صدقہ کرنے کا حکم فرمادیا اور قرآن نے صرف ''نسک'' فرمایا تو آپ ﷺ نے اس سے مراد ''بکری'' بیان فرمادی (بخاری جلد ۱ ابواب العمرہ) لیکن اس کے ساتھ ہی احرام کی حالت میں اور عین حرم شریف میں کوا' چیل' چوہا' بچھو اور کاٹنے والا کتا (اور ہر طرح کا درندہ اور موذی جانور) مار ڈالنے کی خود ہی اجازت بھی عطا فرمادی (بخاری جلد ۱' کتاب المناسک)۔ لیکن وہاں کا کانٹا تک کاٹنے سے منع فرمادیا البتہ یہاں بھی اختیارات مصطفوی ﷺ کا جلوہ نظر آ گیا گیا۔ جب آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عرض پر اذخر گھاس کو اپنی مرضی سے مستثنیٰ فرمادیا (بخاری جلد ۱' کتاب المناسک) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عرض سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اختیارات مصطفوی ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔

احرام باندھ لینے کے بعد اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن نبی مختار ﷺ نے دو رکعت نفل پڑھے تو آپ ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے قیامت تک کے لئے احرام باندھنے کے بعد دو نفل پڑھنا معمول بن گیا۔ اب جبکہ حج یا عمرہ کرنے والا خانہ کعبہ شریف کے سامنے حاضر ہو گیا اور فرمان خداوندی کے مطابق طواف کرنا چاہتا ہے تو چاہئے تو یہ تھا کہ خانہ کعبہ تمام کا تمام اور ہر طرف سے بیت اللہ ہے تو جس دروازے سے بھی کوئی مسجد میں داخل ہو اور بیت اللہ شریف کا جو مقام بھی سامنے آ گیا وہاں سے طواف شروع کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کوئی قید بیان نہیں فرمائی۔ لیکن نبی مختار ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات استعمال فرماتے ہوئے یہ قید لگادی اور خود کر کے بھی دکھا دیا کہ طواف رکن حجر سے شروع ہوگا۔ بلکہ اگر ہو سکے تو حجر اسود کا بوسہ لے کر طواف شروع کیا جائے (بخاری جلد ۱' کتاب المناسک) اور اگر زیادہ ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ نہیں لیا جاسکتا تو دور ہی سے حجر اسود کو چھڑی لگا کر اس چھڑی کو چوم لیا جائے اور اگر کوئی عذر شرعی ہو تو سوار ہو کر بھی طواف کیا جاسکتا ہے اور اگر زیادہ ہجوم ہے چھڑی بھی نہیں لگا سکتے تو پوری مسجد میں کہیں بھی حجر اسود والے کونے کے سامنے آ کر اس کی طرف منہ کر کے خالی ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو چوم لیا جائے اور تکبیر کہی جائے (استلام' بخاری جلد ۱' کتاب المناسک)۔

اللہ تعالیٰ نے تو صرف طواف جس کا معنی 'چکر' ہے کا حکم دیا تھا لیکن مشرکین مکہ پر اپنا رعب ڈالنے کی خاطر محبوب کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات استعمال فرماتے ہوئے فرمایا کہ پہلے تین چکروں میں ذرا تیز اور پہلوانوں کی طرح عین حرم کعبہ میں بھی اکڑ کر کندھے ہلاتے ہوئے چلنا ہے۔ اب اگرچہ کوئی ظاہری سبب موجود نہیں' پھر بھی قیامت تک کے لئے طواف کے پہلے تین چکروں میں اسی طرح اکڑ کر ہی چلنا ہوگا۔ (رمل) اور پھر طواف کعبہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی حد بیان نہیں فرمائی۔ لیکن آپ ﷺ نے سات چکر مقرر فرمادیئے تو قیامت تک کے لئے یہی قانون بن گیا پھر اگرچہ کعبہ شریف کی موجودہ عمارت ایک مربع کمرے پر مشتمل ہے لیکن آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم غیب سے بیان

فرمایا کہ حطیم کی (تقریباً ۳۰ فٹ) جگہ بھی بنائے ابراہیم علیہ السلام میں شامل تھی لہذا اب طواف میں حطیم کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اگر چہ سعودی حکومت جو بزعم خود اس وقت دنیا میں اسلام کی واحد ٹھیکیدار ہے بھی آج تک اس منشاء نبوی ﷺ کو پورا کر کے کعبہ شریف کو اس کی اصلی بنیادوں پر قائم نہیں کر سکی۔ اس حکمت خداوندی اور رحمت مصطفوی ﷺ کے تحت ہم غریبوں کو بھی حدود کعبہ میں نوافل و دعا کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ فللہ الحمد۔ پھر احرام باندھنے سے لے کر طواف کعبہ کرنے تک تو تلبیہ (لبیك اللهم لبيك . لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و نعمة لك و الملك لا شريك لك) کہتے رہنا ہے لیکن طواف شروع کرتے ہی راحت جان ﷺ نے تلبیہ کہنا بند فرما دیا تو قیامت تک یہی قانون بن گیا۔ حالانکہ ظاہراً چاہئے تو یہ تھا کہ جب میقات پر لبیک پکارا جا رہا ہے تو عین اصل جگہ پر آ کر اور بھی بلند آواز میں لبیک پکارا جاتا۔ لیکن نبی مختار و رحمت ﷺ نے یہ ارفع و اعلیٰ جگہ اپنی گنا ہگار امت کو دعاؤں کے لئے عطا فرما دی۔ پھر پوری دنیا میں ہر مقام پر حتیٰ کہ نماز میں بھی مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو اسلام نے ناجائز رکھا ہے۔ لیکن چونکہ کعبہ شریف ایک ہی ہے اور جس طرح مومن مردوں کے دلوں میں طواف کعبہ کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے ہی عورتوں کو بھی اس سعادت سے مستفیض فرمانے کے لئے آپ ﷺ نے مردوں کے ساتھ مل کر ایک ہی وقت میں عورتوں کو بھی طواف کی اجازت عطا فرما دی۔ البتہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن مردوں کی صفوں سے ذرا ہٹ کر طواف فرماتی تھیں (بخاری شریف)۔ پھر اگر چہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں فرمایا لیکن نبی مختار ﷺ نے اپنی مرضی ہی سے طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم (علیہ السلام) کے پیچھے اس طرح کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام) اور کعبہ دونوں سامنے رہیں' دو نفل ادا فرمائے تو ہمیشہ کے لئے یہ نفل بھی ہر طواف کرنے والے کے لئے لازمی ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر روبقبلہ ہو کر آب زم زم شریف پیا تو قیامت تک یہی معمول بن گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور ان چکروں کی ابتداء صفا سے فرمائی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان جہاں ابتداء میں ایک نالہ (گہرائی) تھی اور اس گہرائی میں اترنے کے بعد سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو زمین پر پڑے ہوئے اپنے لخت جگر جناب سیدنا اسمٰعیل علی نبینا علیہ السلام نظر نہ آتے تھے تو آپ بیٹے کی محبت میں دوڑتے ہوئے اس کھائی کو عبور کرتیں اور جب آپ سطح زمین پر آ جاتیں اور بیٹا آپ کو نظر آ جاتا تو آپ معمول کی چال سے چلنا شروع کر دیتیں۔ وہاں اگر چہ اس وقت اور آج بھی کوئی ظاہری سبب موجود نہیں ہے۔ لیکن مالک دو جہاں ﷺ نے اپنے اختیارات استعمال فرماتے ہوئے وہاں چکر بھی لگائے اور درمیانی جگہ میں اسی طرح دوڑ کر بھی چلے اور چکروں کی تعداد بھی خود ہی مقرر فرمائی۔ اب قیامت تک یہی قانون رہے گا۔ اب جو عمرہ کرنے والا ہے (اگر باہر کے ملک سے آیا ہے تو محبوب کریم ﷺ کے مقرر کردہ اپنے میقات سے احرام باندھ کر آیا ہو گا اگر مکہ شریف سے عمرہ کے ارادے سے نکلا ہے تو محبوب کریم ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے عمرے کا

میقات بیان فرمایا تھا یعنی "تنعیم" وہاں اب ایک عالیشان مسجد بنادی گئی ہے جس کو اسی نسبت سے مسجد عائشہ کہتے ہیں۔ وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر اور مسجد میں نفل پڑھ کر حرم شریف میں آئے گا) وہ مرد اپنے تمام بال کٹوا یا منڈا کر اور عورت ایک انگلی کے پورے کے برابر اپنے بال کاٹ کر احرام کھول دیں گے اور ان کا عمرہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مکمل ہو جائے گا۔ عمرہ تو عمرہ ہی ہوتا ہے لیکن نبی مختار ﷺ نے فرمادیا کہ رمضان شریف کا عمرہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے میرے ساتھ حج کیا۔ سبحان اللہ! جہاں نبی مختار ﷺ نے مکہ شریف کی باجماعت ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر بیان فرمایا وہاں آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں یہ دعا بھی فرمائی ہے کہ یا اللہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ کی ہر برکت کو دو گنا فرما دے (بخاری و مسلم شریف)۔ اس طرح مسجد نبوی شریف میں باقی فضل و رحمت کے علاوہ ہر باجماعت نماز کا ثواب دو لاکھ نماز کے برابر ہو گا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا مسجد قبا شریف میں دو رکعت نفل پڑھنے پر اللہ تعالیٰ ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا سبحان اللہ۔

واہ کیا بات ہے اختیارات و رحمت مصطفیٰ ﷺ کی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تو تاریخ کا تعین نہیں فرمایا لیکن نبی مختار ﷺ نے آٹھ (۸) ذوالحج (یوم ترویہ) کو حج کا احرام باندھا۔ لہذا اب قیامت تک کے لئے یہی معمول رہے گا۔ پھر یہ دن منیٰ میں گزارنے کے بعد نو (۹) ذوالحج کو منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد زوال سے پہلے پہلے میدان عرفات میں پہنچنا ہو گا۔ عرفات میں نو (۹) ذوالحج کو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو آج تک آپ ﷺ کی سنت کے مطابق اس تاریخ اور اس میدان میں (آج کل مسجد نمرہ کے اندر) خطبہ حج دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں تو قیامت تک کے لئے یہی قانون بن گیا (البتہ اگر علیحدہ پڑھے گا تو پھر دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے وقت پر پڑھے گا) اس کے بعد سورج کے غروب ہونے تک اس میدان میں ہی ٹھہرنا ہوتا ہے اسی کو وقوف عرفات کہتے ہیں۔ اگر کوئی غروب آفتاب سے پہلے یہاں سے چلا جائے تو اس کا حج صحیح نہیں ہو گا بلکہ اگر کسی مجبوری سے حدود عرفات سے باہر نکلنا پڑ جائے تو پھر بھی غروب آفتاب سے پہلے پہلے واپس حدود عرفات میں آنا ہو گا۔ اب سورج غروب ہو گیا مغرب کی نماز کا وقت ہے۔ آپ فارغ بھی ہیں لیکن یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی۔ اگر کوئی پڑھے گا تو نماز بھی ادا نہیں ہو گی اور وہ گناہ گار بھی ہو گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ نبی مختار ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے اور اسی کا حکم فرمایا ہے۔ وہاں سے چل کر مزدلفہ جانا اور جب بھی مزدلفہ پہنچیں تو وہاں جا کر اذان اور تکبیر کہہ کر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرنا اور مزدلفہ ہی سے تمام ایام کے لئے تینوں شیطانوں کو مارنے کے لئے کنکریاں چن لینا ہی سنت و فرمان مصطفوی ﷺ ہے۔ پھر دس (۱۰) ذوالحج کی فجر کی نماز ابتدائی وقت میں ہی پڑھ کر واپس منیٰ میں جانا اور جا کر اس طرح کھڑے ہو کر کہ بیت اللہ بائیں طرف ہو اور منیٰ دائیں طرف ایک ایک کر کے جمرہ عقبہ (بڑا شیطان) کو سات کنکریاں مارنا اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہنا پھر قربانی کرنا پھر سر منڈانا اور احرام کھول

کر عام کپڑے پہن لینا نبی مختار ﷺ کا مقرر کردہ طریقہ ہے۔ پھر جا کر بیت اللہ شریف کا طواف (طواف زیارت یا طواف افاضہ) کرنا ہے پہلے تین چکروں میں رمل باقی چار چکر معمول کی چال سے پھر مقام ابراہیم (علیہ السلام) پر نفل پھر آب زمزم پی کر صفا اور مروہ کی سعی کر کے شام تک واپس منیٰ میں آ جانا ہے۔ گیارہ (۱۱) ذوالحج کو بعد دو پہر جا کر پہلے چھوٹے شیطان کو ہر کنکری پر بسم اللہ اکبر کہہ کر ایک ایک کر کے ساتھ کنکریاں مار کر پھر درمیان والے شیطان کو اس طرح ساتھ کنکری پھر بڑے شیطان کو اسی طرح ساتھ کنکریاں مار کر واپس منیٰ میں اپنی رہائش گاہ پر چلے جانا ہے۔ پھر بارہ (۱۲) اور تیرہ (۱۳) کو بھی اسی طرح تینوں شیطانوں کو بعد دو پہر کنکریاں مارنی ہیں (اگر ظہر کی نماز خیمہ میں پڑھ کر چلیں اور عصر کی نماز مسجد خیف میں پڑھ کر کنکریاں مارنے جائیں تو انشاء اللہ کوئی ہجوم نہیں ہوگا اور آپ بالکل پردوں کے ساتھ کھڑے ہو کر آسانی سے کنکریاں مار لیں گے) اسی طرح پہلے دن یعنی دس (۱۰) کو بھی دیر سے آ کر کنکریاں ماریں تو آسانی رہے گی۔ اب آپ کے تمام ارکان حج مکمل ہو چکے۔ آپ کا حج بحمدہ وبمعنہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب جب آپ آخری مرتبہ مکہ شریف سے روانہ ہونے لگیں تو جاتے دفعہ بیت اللہ شریف میں الوداعی حاضری اور پھر طواف کریں (طواف وداع) اور ہر طرح کی دعائیں مانگیں۔ یہ راحت جاں ﷺ کی سنت مقدسہ ہے (بخاری شریف)۔ لیکن سوچیں کہ احرام کا لباس' تلبیہ کے الفاظ' منیٰ' مزدلفہ اور عرفات کے اوقات وہاں کے معمولات بعض قیدیں بعض رخصتیں بعض بشارتیں' دس (۱۰) تاریخ کو صرف بڑے شیطان کو کنکر مارنا' کنکر مارنے سے پہلے لبیک کہنا' بند کر دینا' سات کنکریاں مارنا' پھر گیارہ کو بارہ کو اور تیرہ کو تینوں شیطانوں کو کنکر مارنا' دس (۱۰) کو رمی' قربانی اور حلق کے بعد احرام اتار دینا اور بارہ تک طواف زیارت کی اجازت اور قربانی کے لئے اونٹ پانچ سال کا' گائے بھینس دو سال کی' بکری بھیڑ ایک سال کی لیکن بھیڑ مینڈھا میں مشروط رخصت وغیرہ۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کے سب اختیارات مصطفوی ﷺ کے وہ دلائل وبراہین قاطع ہیں جو قیامت تک اسی طرح قائم اور روشن رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس ناقابل تردید اٹل حقیقت پر سب کو ایمان وایقان نصیب فرمائے۔

تعظیم محبوب ﷺ

محترم قارئین کرام! جہاں تک جان رحمت ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا تعلق ہے۔ تو یہ حقیقت ثابتہ قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر کسی بھی انسان کو ایمان کی اور اسلام کی حلاوت اور حرارت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں نماز پڑھنا بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث پاک کی رو سے کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل ہے۔ کیونکہ منافق بھی نماز ادا کرتا ہے' روزہ رکھتا ہے اور جہاد کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ توحید اور یوم آخر کو بھی مان لیتا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا۔ ومن الناس من یقول امنا باللہ وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين "یعنی کچھ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے (لیکن یاد رکھو) وہ ہرگز ایمان والے نہیں" (القرآن)۔ یہ آیت کریمہ بتا

رہی ہے کہ توحید اور آخرت پر ایمان کے باوجود بھی کئی لوگ ایمان کی دولت بیدار حاصل نہیں کر سکتے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی یہی وجہ نظر آتی ہے کہ وہ خدا کو بھی مانتے ہیں' آخرت کو بھی مانتے ہیں' نماز روزے کو بھی مانتے ہیں۔ جہاد کے لئے بھی کمر بستہ رہتے ہیں' قرآن پاک کی تلاوت میں بھی سرگرم ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام عقائد اور اعمال کی جان عشق رسول ﷺ اور تعظیم رسول ﷺ کو نہیں مانتے۔

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ان کے دلوں میں جان رحمت ﷺ کے بغض وعناد کی بیماری ہے۔ اس لاعلاج بیماری کا نام منافقت ہے۔ ثابت ہوا کہ منافقت اور اسلام کے درمیان حد فاصل تعظیم مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ ہے۔ جس میں یہ جذبہ کارفرما ہے وہ مومن ومسلمان ہے اور جس میں نہیں وہ منافق ہے۔

تعظیم وتوقیر کا حکم

اللہ کریم نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اپنے محبوب دانائے غیوب ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا حکم صادر فرمایا۔ بلکہ قبول ایمان کے فوراً بعد اس کی تاکید فرمائی اور فرمایا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزرہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا ''تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لے آؤ اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی توقیر کرو اور اللہ کی دن رات تسبیح بیان کرو'' (القرآن)۔ یہ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ قبول ایمان کے فوراً بعد کا عمل سب سے مقدم ہے حتیٰ کہ ذکر خدا سے بھی مقدم ہے وہ تعظیم مصطفیٰ ﷺ اور توقیر مصطفیٰ ﷺ ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہے خدا کا ذکر بعد میں ہے۔ گویا واحد یہ اعلان کر رہا ہے کہ ذکر خدا بھی اسی کا قبول ہوگا جس کے سینے میں مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ موجزن ہے۔ بے ادب جتنا مرضی ذکر کر لے' جتنا مرضی زہد اختیار کرے' جتنی مرضی عبادت وریاضت سے کام لے اس کا کوئی عمل قبول نہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ عزازیل کی ہزاروں سال پر مبنی عبادت واطاعت بے ادبی کی ایک ہی چنگاری نے جلا کر خاکستر کر دی اور اسے اکرام ووجاہت کے بلند مقام سے ذلت وضلالت کی پستیوں میں پھینک دیا۔ خدا کے محبوبان پاک کی بے ادبی ایک عبادت گزار کو ابلیس بنا دیتی ہے اور ان کا ادب واحترام ایک گنہگار کو مغفرت کی سند عطا کر دیتا ہے۔

پہلی منزل عشق دی' بنا ادب مراد نہ پاوے
بے ادباں دی بستی اندر کدی ٹھنڈی ہوا نہ آوے
ادبوں ودھ عبادت کیہڑی جیہڑی رب میکر پہنچا وے
اعظم جس تے سوہنا راضی' انہوں ایہہ دولت مل جاوے

اعمال ضائع ہو جائیں گے

قرآن پاک نے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے ادب واحترام کی اہمیت وضرورت کو یوں

بیان کیا ہے کہ اس کے بغیر مسلمان کے تمام اعمال ضائع ہونے کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یایھا الذین امنوا لاترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھرو الہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون "یعنی اے ایمان والو اپنی آوازیں اس نبی کریم (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ تمہارے عمل ضائع نہ ہو جائیں"۔

۱۔ یہ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ کسی کی آواز سے آواز بلند کرنا کم درجہ کی بے ادبی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ ناز میں یہ کم درجہ کی بے ادبی گوارہ نہیں۔

۲۔ اس کم درجہ کی بے ادبی کی بھی اتنی سنگین نحوست ہے ان سے مسلمان کے ظاہری اور باطنی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں بڑی بے ادبی کی نحوست کا کیا عالم ہوگا؟

۳۔ اعمال صرف کافر کے ضائع ہوتے ہیں معلوم ہوا کے بارگاہ رسالت کی ادنیٰ سی بے ادبی بھی مسلمان کو کافر بنا دیتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب سے دوچار کر دیتی ہے۔

۴۔ حضور سراپا نور ﷺ کی بے ادبی کر کے انسان اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہے اپنی نمازوں پر ناز کرتا ہے اپنے روزوں پر فخر کرتا ہے اپنی شب بیداریوں پر اتراتا ہے لیکن اسے شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنتوں کا سزاوار ہو چکا ہے وہ جان ایمان کی گستاخی کر کے ایمان کی نعمت سے محروم ہو چکا ہے۔

۵۔ کائنات کی سب سے بڑی سزا لاشعوری کی سزا ہے جو انسان کو نہ جانے کتنی ہلاکتوں کا شکار بنا دیتی ہے یہ سب سے بڑی سزا ہے جو محبوب خدا کے گستاخوں کو دی جاتی ہے۔

۶۔ حضور سراپا نور ﷺ کو القاب کمالات کے ساتھ یاد کرنا چاہئے ایسے ہرگز نہیں بلانا چاہئے جیسے ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا "یعنی محبوب کریم ﷺ کو ایسے نہ پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو"۔

تقویٰ کیا ہے؟

عبادت و ریاضت تقویٰ کی نشانی ہے۔ صوم وصلوۃ تقویٰ کی نشانی ہے۔ چہرے پر ریش مبارک سجانا تقویٰ کی نشانی ہے' یتیموں' غریبوں' بیواؤں کی امداد کرنا تقویٰ کی نشانی ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ آیئے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ تقویٰ کیا ہے؟ فرمایا۔ ن الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم "جو لوگ اپنی آوازوں کو محبوب کبریاء ﷺ کے پاس پست رکھتے ہیں وہی ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لئے ہیں' انہی کے لئے مغفرت اور بہت بڑا ثواب ہے" (القرآن)۔ اس آیت کریمہ نے ہمیں یہ سبق عطا فرمایا ہے:۔

۱۔ محبوب کریم ﷺ کا ادب واحترام بھی تقویٰ ہے۔
۲۔ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ سے ڈرنا گویا جو راحت جاں ﷺ کا ادب واحترام کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔
۳۔ ہم کو مقدم رکھ کر حصر کا فائدہ عطا فرمایا یعنی انہی لوگوں کو مغفرت اور بڑا ثواب حاصل ہوگا جو محبوب خدا ﷺ کی تعظیم کے جذبات سے سرشار ہوں گے۔
۴۔ اگر مغفرت لھم وارد ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ ان کے لئے بھی مغفرت ہے وہ تعظیم کریں یا نہ کریں گویا تعظیم نہ کرنے والوں کے لئے بھی مغفرت کا امکان موجود ہے۔ اللہ کریم نے ایسا نہیں فرمایا یعنی تعظیم نہ کرنے والوں کے لئے اس نے ہر قسم کی بخشش اور ثواب کا امکان ہی ختم فرمادیا۔ مغفرت اور ثواب اسے ہی نصیب ہوگا جس کے دل میں محبوب ﷺ کی عظمت و محبت جلوہ فرما ہوگی۔
۵۔ یہ آیت کریمہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے شعار ادب کو تمام مسلمانوں کے لئے تقلید قرار دیا۔

وصال کے بعد بھی تعظیم

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دو آدمی مسجد نبوی شریف ﷺ میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کو اشارہ سے قریب بلایا اور نہایت جلال کے ساتھ فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا اگر تم مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آواز بلند نہیں کرنا چاہئے۔ اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ وصال پاک کے بعد تعظیم وتوقیر کا سلسلہ جاری وساری ہے بلکہ مذکورہ آیات کریمہ کا حکم مطلق ہے۔ آپ ﷺ کی قبر مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور زمانے کے لئے یکساں مفید ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جان رحمت ﷺ مزار اقدس میں زندہ وجاوید ہیں اور آوازوں کو سنتے ہیں' عملوں کو دیکھتے ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قبر کا اسی طرح ادب کرتے تھے جس طرح آپ ﷺ کے وجود پاک کا ادب کیا کرتے تھے۔ کئی روایات سے ثابت ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے مزار اقدس کے قریب ادب واحترام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کو اپنا درد وغم سنایا کرتے تھے اور شفاعت کے طلبگار ہوا کرتے تھے۔ اس طرح ان کی مشکلات بھی آسان ہوجایا کرتی تھیں۔

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

بے عقل لوگ

اللہ کریم نے ان لوگوں کو بے عقل قرار دیا ہے۔ راحت جاں ﷺ کے حجرات مقدسہ کے باہر کھڑے

ہو کر پکارتے تھے اور اپنی آوازوں سے آپ ﷺ کو تکلیف دیتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لا یعقلون "یعنی وہ لوگ جو (اے محبوب ﷺ) آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں" (القرآن)۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ بارگاہ نبوت کے آداب و مسائل ساری کائنات سے جداگانہ ہیں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے گھروں کے باہر سے دستک دینی چاہئے۔ ہمیں پکارنا چاہئے یا کوئی پیغام بھیجنا چاہئے جبکہ بارگاہ نبوت ﷺ کے دروازے پر آ کر صرف دست بستہ کھڑے ہو جانا چاہئے۔ گویا ہمارے دروازے پر دستک نہ دینا اور نہ پکارنا بے عقلی ہے جبکہ نبوت ﷺ کے دروازے پر دستک دینا اور آوازیں مار کر پکارنا بے عقلی ہے۔ اس کی کیا حکمت ہے۔ اس کی ایک یہ حکمت ہے کہ ہمیں تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ دروازے پر کون ہے وہ دستک دے کر آواز مار کر پیغام بھیج کر ہمیں بلائے گا تو ہمیں خبر ہو گی کہ کوئی آیا ہے اور کیوں آیا ہے جبکہ نبی ﷺ اپنی نگاہ نبوت ﷺ سے دیکھتا ہے اور علم رسالت سے جانتا ہے کہ دروازے پر کون آیا ہے اور کیوں آیا ہے۔ حضور ﷺ اپنے غلاموں کی حاجتوں کو پورا فرماتے ہیں اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق عطا بھی فرماتے ہیں۔ یہ سلسلہ کرم آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک بے خبر کو تو اطلاع دی جائے گی۔ ایک باخبر کو اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے اس قسم کے عمل کو بے عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولو انھم صبروا حتی تخرج الھم لکان خیراتھم واللہ غفور رحیم "اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (القرآن)۔ اس آیت کریمہ نے بتایا کہ بارگاہ نبوت کے دروازے پر صبر و استقامت سے کھڑے رہنا چاہئے۔ بے صبری اور افراتفری کا مظاہرہ کرنا شدید بے ادبی اور تعظیم و توقیر کے منافی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کرم والے ہیں' رحم والے ہیں اور تمہاری بہتری کے لئے حریص ہیں۔ وہ تمہیں خواہ مخواہ کھڑے رہنے کی تکلیف نہیں دیتے کہ تمہاری حالت زار کو نور فراست سے مشاہدہ فرمائیں گے اور بہت جلد مہربانی کر دیں گے۔ تم منزل مراد پر پہنچ کر بھی بے چینی کا مظاہرہ کرو گے تو یہ بے عقلی تصور ہو گی۔ یہاں تو صبر کا ایسا مظاہرہ ہونا چاہئے کہ سانس کی آواز بھی نہ آئے جس کے پاس آئے ہو وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپے ہوئے اسرار کو بھی جان لیتا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ان آیات مبارکہ کے احکام پر آج بھی امت مسلمہ پوری طرح عمل پیرا ہے۔ بیت اللہ شریف کی جلالی فضاؤں میں ہر مسلمان پر دیوانگی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ لوگ بھڑک رہے ہوتے ہیں' تڑپ رہے ہوتے ہیں لیکن گنبد خضریٰ کی فضا میں ہر آدمی باہوش کھڑا ہوتا ہے۔

لب وا ہیں' آنکھیں بند ہیں' پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
مانگیں گے مانگیں جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

ہر طرف باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار کا منظر دکھائی دیتا ہے۔

بے ادبی کی کوئی گنجائش نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یایها الذین امنوا لا تقولو راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم ''یعنی اے ایمان والوا راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ یارسول اللہ ﷺ ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے'' (القرآن)۔ ہوا کچھ یوں کہ رحمت دو جہاں ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے راعنا یارسول اللہ ''یارسول اللہ (ﷺ) ہماری رعایت فرمایئے'' یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوء ادب کا معنی رکھتا تھا۔ انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی اصلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا۔ اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ یہود نے کہا آپ ہم پر برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرما دی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ انظرنا کہنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب کرم ﷺ کی بارگاہ ناز میں تعظیم و توقیر کے جذبوں کے ساتھ حاضر خدمت ہونا اور کلمات ادب کے ساتھ بات کرنا فرض ہے۔ جس کلمہ میں یا الفاظ میں ترک ادب کا شائبہ بھی پایا جائے اس کو اپنی زبان پر لانا اور دل میں خیال کرنا حرام ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بارگاہ نبوت میں بے ادبی کرنا کفر کے مترادف ہے اور دردناک عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرو انظرنا اے محبوب (ﷺ) ہم پر نظر رحمت کیجئے۔ جان رحمت ﷺ سے رحمت کی خیرات طلب کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اس کی ہدایت نہ فرماتا۔ ہم اس آیت کو سامنے رکھ کر عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ انظر حالنا۔ یہ آیت بھی حکم عام کے ساتھ قیامت تک نافذ العمل ہے۔ آج بھی حضور ﷺ نظر رحمت سے مخلوق خدا کی مشکلیں آسان فرما رہے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عملی مظاہرہ

قرآن پاک کی ان تمام تعلیمات پر جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن پاک نے جو حکم دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرو اور توقیر کرو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس تعظیم

وتوقیر کی عظیم اور حسین مثالیں قائم کر دیں۔ صرف ایک منظر دیکھئے عروہ بن مسعود ثقفی بہت دانا و بینا انسان تھا جو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اپنی قوم کے سامنے جا کر بیان کر دیا۔ صحیح بخاری شریف میں اس کے الفاظ درج ہیں۔ یقوم واللہ لقد وفدت علی الملوك ووفدت الی قیصر وکسری والنجاشی واللہ ان رأیت ملکا قط یعظمه کما یعظم اصحاب محمد محمدا ''یعنی اے قوم اللہ کی قسم میں بہت سے بادشاہوں کے پاس سفیر بن کر گیا ہوں' میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں۔ بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کا اس طرح احترام کرتے ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کا احترام کرتے ہیں''۔ واللہ ان تنخم نخامة الا وقعت فی کف رجل منھم فذالك بھا وجھه وجلده ''خدا کی قسم ! اگر وہ تھوکتے ہیں تو وہ بھی کسی آدمی کی ہتھیلی پر پڑتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو صحابہ اس کی فوراً تعمیل کرتے ہیں جب وہ وضو کرتے ہیں تو صحابہ وضو کا ایک ایک قطرہ لینے کے لئے (یوں آگے بڑھتے ہیں جیسے) لڑ رہے ہوں اور وہ ان کی تعظیم کی وجہ سے ان کے سامنے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے''۔ بخاری شریف کی اس روایت میں یہ مناظر دیکھنے میں آئے۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ازحد تعظیم کیا کرتے تھے۔

۲۔ محبوب کریم ﷺ کا تھوک مبارک زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ اپنی ہتھیلیوں پر لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے تھے۔

۳۔ جان رحمت ﷺ کے وضو کا ایک ایک قطرہ بھی ان کے لئے متاع عزیز ہوتا تھا۔

۴۔ ادب و احترام کی وجہ سے محبوب کریم ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے نہ تھے۔ کیا نظریں فرط ادب سے جھکی رہتی ہیں۔

۵۔ مذکورہ صدر جتنے بھی مناظر ہیں کیا ان کا حکم قرآن پاک نے دیا تھا۔ قرآن پاک میں کہاں لکھا ہے کہ اس محبوب کریم ﷺ کا تھوک مبارک اپنے چہروں اور جسموں پر مل لو۔ وضو کا کوئی قطرہ نیچے نہ گرنے دو۔ نظریں اٹھا کر نہ دیکھتے رہو۔ مزید روایات صحیحہ کا مطالعہ کریں تو یہ امور بھی شامل کر لیں کہ آپ ﷺ کے موئے مبارک سنبھال کر رکھو۔ بول اور براز شریف کا بھی ادب کرو۔ ان کے حضور ایسے ساکت و صامت ہو کر بیٹھو کہ تمہارے سروں پر پرندے موجود ہوں اگر ذرا سی حرکت بھی کرو گے تو وہ اڑ جائیں گے۔

یہ ان کے لئے لمحہ فکر ہے جو ہر وقت یہی راگ گنگناتے رہتے ہیں کہ یہ قرآن سے دکھاؤ۔ وہ قرآن سے دکھاؤ۔ ارے قرآن پاک نے تو مطلقاً حکم دے دیا ہے کہ اس محبوب ﷺ کا ادب کرو توقیر کرو اب ادب اور توقیر اور تعظیم کے طریقے جذبہ محبت نے پیدا کئے ہیں صحابہ کرام کو اس محبوب حجازی ﷺ کے ساتھ جان سے بھی زیادہ محبت تھی لہٰذا دیکھ لیں انہوں نے ادب و احترام کا انداز محبت بتا دیا ہے کہ جان

رحمت ﷺ کو سجدہ نہ کیا جائے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا محبوب سمجھ کر جیسے بھی تعظیم کر سکو کرو کہ تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی کوئی حد خدا نے قائم نہیں کی تو کسی ملا کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے لئے خدا کا قانون حجت ہے اصحاب مصطفیٰ ﷺ کا ادب حجت ہے' کسی ملا کی تنگ نظری حجت نہیں ہے۔

ظالمو! محبوب ﷺ کا حق تھا یہی' عشق کے بدلے عداوت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ﷺ' اس برے مذہب پر لعنت کیجئے
حسن جس کا اللہ کو بھی بھا گیا ایسے پیارے سے محبت کیجئے

منافق کی سوچ

تفسیر مدارک میں ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ میں جان رحمت ﷺ اپنے ارشادات سے اپنے غلاموں کو نواز رہے تھے۔ منافقین مدینہ کا سردار عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا اور محبوب کریم ﷺ کے ایک ایک فرمان پر زبان تصدیق ثبت کر رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا انہوں نے فرمایا اے دشمن خدا تو یہاں تو تصدیق کرتا ہے اور باہر نکل کر ہر فرمان کو جھٹلاتا ہے۔ وہ غصے کے عالم میں اٹھا اور مسجد نبوی شریف سے باہر آ گیا۔ باہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے ماجرا پوچھا تو کہنے لگا اب کیا یہی باقی رہ گیا ہے کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کو سجدہ کروں؟

آپ ذرا منافق کی سوچ دیکھیں۔ محسن کائنات ﷺ کو کون سجدہ کرتا تھا؟ کس میں جرأت تھی کہ توحید کے اس سب سے بڑے علمبردار کے سامنے سجدہ کرے؟ سب آپ ﷺ کا ادب کرتے تھے' تعظیم کرتے تھے لیکن منافق اس کو بھی سجدہ سمجھ کر شرک کا فتویٰ لگا دیتے تھے۔ آج بھی کئی تیرہ فکر انسانوں کا یہی خیال ہے اگر دست بستہ بارگاہ رسالت میں کھڑے ہو کر درود وسلام کا نذرانہ محبت پیش کر دے تو رونا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ شرک ہو رہا ہے۔ حکم خدا کی تعمیل ہو رہی ہے۔ پھر دیکھئے منافق کو نماز اور روزہ سے کوئی انکار نہیں۔ ان کی عبادتیں اس کی خدائی میں اضافہ نہیں کر دیں گی وہ بھی اس آدمی کو محبت و معرفت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کے دل میں اس کے محبوب ﷺ کا ادب ہوتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم باشد از فضل رب

اللہ اکبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ادب محبوب ﷺ کے کیسے کیسے انداز اپنائے۔ عشق و مستی کی دنیا وجد میں آ جاتی ہے۔ محبت و عقیدت کے جہاں مچل اٹھتے ہیں۔

۱۔ کوئی غار ثور میں ڈنگ پر ڈنگ کھا رہا ہے لیکن زانو کو حرکت نہیں دیتا کہ محبوب کریم ﷺ کے آرام میں خلل نہ آ جائے اور بے ادبی نہ ہو جائے۔ جان جاتی ہے تو چلی جائے ہاتھ سے رشتہ ادب نہیں چھوٹنا چاہئے۔

۲۔ کوئی اپنی نماز عصر کو قربان کر رہا ہے لیکن بدن میں ذرا اضطراب نہیں کہ محبوب ﷺ بے آرام ہو

جائے گا۔اس کی نگاہ میں نماز فرض ہے لیکن احترام مصطفیٰ ﷺ اس سے بھی بڑا فرض ہے۔یہ فرض چھوٹ گیا تو نماز کیا ایمان ہی جاتا رہے گا۔

۳۔ کوئی طواف کعبہ کی دعوت ملنے پر بھی طواف نہیں کرتا کیونکہ ابھی تک اس کے محبوب نے طواف نہیں کیا۔اس کی نظر میں محبوب کریم ﷺ سے پہلے خدا کی عبادت بے ادبی میں شمار ہوئی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

۴۔ کوئی محبوب ﷺ کے جسم مقدس سے نکلنے والا خون پاک اس ارادے سے نوش کر لیتا ہے کہ یہ زمین پر گرا تو اس کی بے ادبی ہوگی اور کوئی پسینہ مبارک کو سنبھال کر رکھتا ہے۔

۵۔ کوئی محبوب ﷺ کے موئے مبارک کو اپنی ٹوپی میں سی کر رکھتا ہے۔ان کے وسیلے سے اللہ کریم اسے فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔وہ ٹوپی میدان جنگ میں کہیں گر جاتی ہے تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کو تلاش کرتا ہے۔کہیں محبوب کریم ﷺ کے موئے مبارک کافروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور وہ بے ادبی نہ کر دیں۔

۶۔ کوئی ساری عمر سر کے بال نہیں کٹواتا کیونکہ ایک مرتبہ اس کے سر پر محبوب کریم ﷺ نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔اس کی محبت گوارا نہیں کرتی کہ محبوب کریم ﷺ کے ہاتھ کے ساتھ لگنے والے بال زمین پر گریں۔

۷۔ کوئی محبوب کریم ﷺ کے منبر کو ہاتھ لگا کر چہرے پر مل لیتا ہے کہ اس منبر مبارک کو محبوب کریم ﷺ کے ساتھ نسبت حاصل ہے۔

محبوب تو محبوب ہے اس کے ساتھ منسوب چیزوں کا بھی اہل دل نے ایسا ادب کیا ہے کہ مثال نہیں ملتی۔اہل محبت خاک مدینہ پر قربان ہو گئے۔سگان مدینہ کی قدم بوسی کو اپنا مایہ افتخار سمجھنے لگے۔خاک مدینہ کو نو بہاروں پر فوقیت دینے لگے۔مقام ابراہیم (علیہ السلام) بھی تو پتھر ہے۔قرآن پاک نے فرمایا۔ ومن یعظم شعآئر اللہ فانھا من تقوی القلوب ''یعنی جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا احترام کرتا ہے تو یہی دلوں کا تقویٰ ہے''۔

ہمیں بتایا جائے وجود مصطفیٰ ﷺ سے بڑی اللہ کی کونسی نشانی ہے؟ اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے منسوب چیزوں کا احترام سب پر فرض ہے تو وجود مصطفیٰ ﷺ سے منسوب چیزوں کا کیوں احترام نہیں ہونا چاہئے؟ دیار محبوب ﷺ کے ذروں کا بھی احترام ہونا چاہئے آل اطہار کا بھی احترام ہونا چاہئے۔امت محبوب ﷺ کا بھی احترام ہونا چاہئے۔محبوب ﷺ کی نسبت سے ہر چیز محترم بن چکی ہے۔ہر چیز معظم ہو چکی ہے۔اللہ کریم توفیق ادب عطا فرمائے (آمین)۔مزید تفصیل ہماری کتاب ''آداب محبت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انسان کامل ﷺ

محترم قارئین کرام! کلمہ طیبہ جو ہم روزانہ پڑھتے ہیں اور جو کلید ایمان واسلام ہے۔ اس کے دو حصے ہیں لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ۔ پہلے حصے میں توحید کا اعلان ہے اور دوسرے حصے میں محبوب کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان واقرار ہے۔ ہر چند کہ توحید تمام ادیان' مذاہب کا بنیادی ومرکزی نقطہ رہا ہے مگر اجماع امت ہے کہ صرف توحید کے اعتقاد کے ساتھ اسلام مکمل نہیں ہوتا ایمان اس وقت مکمل ہوگا جب محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کیا جائے گا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے اقرار میں یہ رمز پوشیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بڑی اہم ہے۔ کچھ لوگ ذات محمد ﷺ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وحی ورسالت اور اس کے نتیجے میں صرف کتاب پر زور دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہاں تک بھی سنا جاتا ہے کہ نبوت ورسالت کا مقصود صرف وحی کا ابلاغ تھا۔ محبوب کریم ﷺ تو محض ایک ذریعہ یا میڈیم ہے۔ جب قرآن کریم کی صورت میں ابلاغ ہو گیا تو میڈیم کی ضرورت نہ رہی۔ ایسا کہنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہو گی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کا ایمان اسی عقیدے تک محدود ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کلمہ میں لفظ محمد ﷺ لا کر بتا دیا گیا کہ ذات محمد ﷺ کو نظر انداز کرو گے تو رسالت کے مطلب ومقصد تک بھی نہیں پہنچ پاؤ گے کیونکہ اگر محمد ﷺ کی حیثیت صرف میڈیم کی سی ہوتی تو پھر کلمہ یوں ہونا چاہئے تھا لا الــہ الا الــلـہ قـرآن کتاب اللہ۔ کیونکہ جو نازل ہوا وہ تو قرآن میں محفوظ ہو گیا۔ اب کلمہ میں اس کتاب کا ذکر واقرار کافی تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ کہا گیا لا الـہ الا اللـہ مـحـمـد رسـول اللہ۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایمان ضروری ہے کیونکہ توحید کے بعد محمد ﷺ کی ذات اور ان کی رسالت پر ایمان معرفت حق کی طرف ابتدائی قدم ہے۔

اب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کی دو جہات ہیں۔ پہلے باطنی اور پھر ظاہری۔ باطنی جہت کو دور تک دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے صوفیاء ومتکلمین رحمہم اللہ علیہم نے اس بارے میں اتنا کچھ کہا اور لکھا ہے کہ جمع ہو کر یہ ایک بہت بڑے فکری ذخیرے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ذات محمد رسول اللہ ﷺ کی باطنی جہت کا اگر جائزہ لیا جائے تو تخلیق کون ومکان حقیقت کائنات اور شرف انسانیت کے بارے میں تمام متصوفانہ خیالات پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کلمہ کن سے ظہور میں آ گئی۔ مگر اس کلمہ کے پیچھے کون سا جذبۂ حق کارفرما تھا جو مخلوق کی پیدائش کا موجب ہوا۔ اس سلسلہ میں صوفیا کرام رحمہم اللہ علیہم ہمیشہ ایک حدیث قدسی دہراتے ہیں جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ کـنـت کـنـزا مـخـفـیـا فـاحـبـبـت ان اعـرف فـخـلـقـت الـخـلـق ''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا''۔

مخفی خزانہ سے مراد یہ ہے کہ ذات الٰہی ابھی تک بسما صفات سمیت خفا میں تھی۔ پھر ذات کے اندر

سے ایک جذبہ پیدا ہوا جس کی طرف فاحببت کے بظاہر سادہ سے لفظ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔ ''پس میں نے چاہا''۔ مگر یہ چاہت' یہ محبت اس شدت کے ساتھ ظہور میں آئی کہ اسے صوفیاء کرام رحمہم اللہ علیہم نے عشق سے تعبیر کیا۔ جس طرح جمال شدت سے ظاہر ہو تو وہی جلال بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر محبت کا شدت کے ساتھ اظہار ہو تو اسے ہی عشق کہتے ہیں۔ یہ عشق صرف جذبہ حق تھا جس کی بناء پر یہ کائنات وجود میں آئی۔ صوفیا کرام رحمہم اللہ علیہم جب عشق کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ یہ وجہ تخلیق کون و مکاں ہے اور کون و مکاں کے ذرے ذرے میں اس کی حرات موجود ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
چوں عشق آیم خجل باشم ازاں

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات' عشق سے نار حیات

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الہامی کلام میں ارشاد فرمایا۔ ''حضرت عشق بہ بارگاہ کبریا تخت سلطنت آراستہ ''۔ حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کائنات کو ایک درخت سے تشبیہ دی جو جذبۂ حق کے سبب وجود میں آیا۔ اس کی ایک جڑ ہے' شاخیں ہیں اور پتے ہیں اور اس کا پھل ہے۔

اب اس کی جڑ کیا ہے؟ اس کی جڑ وہ پر حکمت مقصود ہے جو کائنات کی پیدائش کے سلسلہ میں ازل سے اللہ تعالیٰ کو مدنظر تھا اور وہی مطمحائے مقصود تھا۔ انسان یعنی شرف انسانیت یا انسان کامل۔ اپنے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسما اور اپنی صفات کے بے شمار مظاہر پیدا کئے مگر آخر میں ایک مظہر کو اپنی شکل پر پیدا کیا یعنی اس میں اپنی صفات کے ظہور کی پوری گنجائش رکھی۔ یہ انسان تھا۔ گویا ازل سے اللہ کے پیش نظر انسانیت کے شرف کا ظہور تھا جسے انسان کامل کہا گیا۔ تمام اسماء و صفات الٰہیہ کا مظہر مطلق انسان کامل ﷺ اور شیخ عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ ہی اس کے مصداق ہیں کیونکہ ''کاملین میں سے کسی میں ان کا خلق اور اخلاق نہیں پایا جاتا''۔

اب کائنات کی پیدائش سے پہلے اس روحانی وجود یا سر حق کو جس کا ظہور الٰہی حکمت کے پیش نظر تھا' نور کہا گیا ہے۔ یہ باطنی جہت۔ ذات محمد ﷺ کا ظہور تھا۔ محبوب کریم ﷺ کی باطنی حقیقت یہ ہے کہ جب عشق نے جو جذبۂ حق ہے' اپنا دربار سجایا تو سب سے پہلے محبوب کریم ﷺ کو وجود میں لانے کا حکم صادر فرمایا۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اس کو یوں کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ نے اپنی ذات سے جس نور کو پیدا کیا' وہ نور محمد ﷺ تھا۔ نور من نور اللہ ''نور محمدی ﷺ یا روح الحق''۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس

کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ یہی حقیقت محمدیہ ﷺ تھی جس کے ظہور کے لئے کائنات پیدا کی گئی۔ نعت کا ایک وجد آفریں شعر ہے۔

اے کہ ترے وجود پر خالق دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہ وجود کائنات

کئی احادیث وروایات اس امر کی موید ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو بتایا کہ لولاک لما خلقت الافلاک "یعنی اگر تیرا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ افلاک پیدا نہ کرتا"۔ خود رحمت دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین "یعنی میں اس وقت نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی آدم علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا تھا یا فرمایا انا من نور اللہ والخلق کلھم من نور "میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوقات میرے نور سے ظہور میں آئیں"۔

چنانچہ حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کائنات کے اس درخت کی جڑ بھی آپ ﷺ ہیں اور اس کا پھل بھی آپ ﷺ ہیں پہلے بھی آپ ﷺ ہی تھے اور آخر میں آپ ﷺ ہی ہیں۔ حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے آخر میں ہونے کی ایک مثال بھی دی ہے کہ مثلاً ایک تاجر ہے وہ اپنے خزانے کے اوپر غالیچے کو لپیٹ کر رکھے گا مگر اس کے اندر ایک دوسرے کے اوپر کئی کپڑے بھی دے تو اس صورت میں جب وہ اس غالیچے کو کھولے گا تو جو کپڑا اس نے سب سے پہلے رکھا ہوگا' وہ سب سے آخر میں نکلے گا۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راحت جاں ﷺ کے ظہور کا حال یہی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک سب سے پہلے وجود میں آئی اور سب سے آخر میں آپ ﷺ کا ظہور ہوا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کو اول و آخر کہا گیا ہے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول' وہی آخر
وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسیں' وہی طٰہٰ

تو اصل از وجود آمدی نخست
وگر ہرچہ موجود شد فرع تست

یہ وہی مرتبہ ہے جہاں آپ ﷺ کل ہیں۔ الکل فیہ ومنہ وکان عندہ "سب کچھ آپ ﷺ میں ہے' آپ ﷺ سے ہے' آپ ﷺ کی طرف سے تھا اور ہے"۔

لوح بھی تو' قلم بھی تو' تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

نور محمدیہ ﷺ کا ظہور حالت بشریت میں دنیا کی تاریخ ماہ وسال میں اپنے وقت پر ہوا۔ یہ آپ ﷺ کا بشری وجود تھا۔ اصطفےٰ واحدا من خلقہ ھو منھم ولیس منھم "اللہ نے اپنی مخلوق میں ایک

کو چن لیا' بظاہر وہ ان میں سے ہے مگر اپنے حقیقت اور باطنی جہت کے لحاظ سے ان میں سے نہیں"۔ انسان کامل کا اس دنیائے آب وگل میں ظہور بھی کامل طور پر ہوا' یہاں آ کر آپ ﷺ پر بشریت کا اطلاق ہوا۔ قل انما انا بشر مثلکم "آپ ﷺ کہہ دیجئے' میں بھی تمہاری مثل ایک آدمی ہوں"۔ نور کی حقیقت اپنے مقام پر رہی لیکن بعض دیکھنے والوں کی نظر کے لئے یہ بشریت حجاب بن گئی کہ وہ اس بشریت کے پیچھے انسان کامل ﷺ کی باطنی جہت یا حقیقی فطرت کو نہ دیکھ سکے۔ قد اھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون "اور آپ ﷺ دیکھیں' آپ ﷺ کی طرف تکتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے"۔ ظہور کا سارا حسن وجمال محبوب کریم ﷺ میں ڈھل گیا۔ غالب نے کہا ہے۔

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

یا میر نے کہا۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بشری جہت میں انسان کامل ﷺ کی کاملیت کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ان تمام مراحل سے گذرتا ہے جن سے عام بشریت گذرتی ہے مگر انسان کامل ﷺ کی بشریت کے قوئی واعضا کی اہلیت اور ظرف واستعداد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ تمام جہاں کے مصائب ابتلا تجربات وارادت' مشاہدات وانکشافات اس کی زندگی کی تاریخ میں سما جاتے ہیں۔ اس کے ہر فعل وعمل کی ایک باطنی جہت ہوتی ہے جس کی رو سے اس کی بشریت کا روحانی ارتقا مقدر ہوتا ہے۔ ایک تذکرے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کا مکالمہ درج ہے۔ دونوں کی ملاقات کے دوران کسی نے سوال کیا کہ رحمت دوجہاں ﷺ کی ہجرت کا روحانی باعث کیا تھا؟ حضرت رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے فہم کے مطابق راحت جاں ﷺ کے کمالات باطنی کی تکمیل اس پر منحصر تھی کہ حضور ﷺ اپنا گھر چھوڑیں' سفر کی تکلیف اٹھائیں اور مدینہ میں بے گھر ہو کر رہیں۔ گو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک توجیہہ بیان فرمائی مگر ایک تو وہ معروف عام ہے اور دوسرے ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے۔

اس کے پیچھے یہ نفسیاتی حقیقت ہے کہ آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے' اس کے لئے چیلنج بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں۔ اس کی بشریت جتنی عظیم ہوتی ہے اس کے لئے ابتلا اور آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔ وہ ان سب کو ایک بشر کی طرح جھیلتا ہے اور کامیابی کے ساتھ بالآخر بشریت سے بہت آگے عبدیت کا اعلیٰ مقام پالیتا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسے دوسروں کے لئے ہر حال میں اور ہر مقام پر کامل نمونہ بننا ہوتا ہے۔ کاملیت کے معاملے میں الٰہی سنت بھی رہی ہے۔ اس لئے محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے

انسانوں کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام پر مصائب زیادہ آتے ہیں اور پیغمبروں میں بھی مجھ پر سب سے زیادہ مصائب وارد ہوئے۔ چونکہ نبی کی بشری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے اس لئے اس کی امت کا پیرو اپنی زندگی کے مماثل حالات وواقعات دیکھ کر با آسانی ذہنی و روحانی طور پر صحت مند رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ امت محمدیہ اس لحاظ سے خوش بخت ہے کہ اس کے افراد کے سامنے افضل البشر ﷺ اور کامل ترین انسان ﷺ کی زندگی کا نمونہ موجود ہے۔ ایسے ہی سرسری نظر ڈالئے۔

- ☆ آپ ﷺ پیدا ہوئے تو والد کا سایہ سر پر نہ تھا (یتیمی)۔
- ☆ چند سال بعد والدہ چل بسیں (دہری یتیمی)۔
- ☆ کچھ عرصہ بعد سرپرست دادا کا انتقال (بے بسی)۔
- ☆ چچا ابو طالب کے ہاں رہ کر محنت و ریاضت کی زندگی شروع کی (ذائقہ افلاس)۔
- ☆ بڑے ہو کر کسب معاش کے لئے تجارت شروع کی۔
- ☆ سیاست و معاشرتی زندگی کے تجربات۔
- ☆ ازدواجی زندگی:۔

•• خوشحالی کا دور۔ •• شوہر اور باپ۔ •• مکہ کے لوگوں میں ''امین'' اور خدمت۔

- ☆ خلق کے لئے ہر آن مستعد
- ☆ غار حرا میں عبادت' ذکر و فکر' رؤیا و اسرار' حقہ کا دور۔

آپ ﷺ نے مکہ کی بستی میں چالیس برس کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا۔ غیب کے علوم آپ ﷺ پر کھلنے لگے۔ قرآن آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہونے لگا اور ساتھ ہی مخالفت کا طوفان بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ اٹھا۔ یہاں تک کہ مکہ میں تیرہ سال آپ ﷺ کو سیل بلا اور دریائے ملامت میں سے گذرنا پڑا۔ تفصیلات کتب تواریخ و سیر میں موجود ہیں۔ مکہ کے باشندوں میں سے بعض نے فی الفور وحی الٰہی کو قبول کر لیا اور دوسروں نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کو مکہ سے باہر مدینہ میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا گیا۔ مدینہ میں رہ کر آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے امن و جنگ کے حالات میں اصلاح احوال کی روشن نظیر پیش کی۔ آپ ﷺ نے یہود اور مشرکین کی سازشوں کو ناکام بنایا' قریش مکہ کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ عرب کے بدوؤں کی لوٹ مار کا سدباب کیا۔ روم و فارس کو دین نو اور قوم کی نئی حیثیت کا احساس دلایا۔ عرب و عجم کے امراء و کبار کو تبلیغی خطوط بھیجے اور عرب قبائل کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔

قیادت و سیادت کی ان تمام مصروفیات کے باوجود سید العرب والعجم ﷺ نے اپنی روزانہ زندگی میں ایک عام انسان کے لئے قابل عمل نمونہ بھی پیش کیا' شادیاں کیں' بچوں کی پرورش اور تربیت کی' بیماریوں اور تیمارداریوں کے تجربات میں سے گذرے' اموات کے صدمے دیکھے' گھر والوں کے اخراجات کا

خیال رکھا' طرز زندگی اتنا سادہ اختیار کیا کہ نبیوں میں فقر آپ ﷺ کا طرہ امتیاز ٹھہرا اور اسے آپ ﷺ نے اپنے لئے باعث فخر کہا۔ آپ ﷺ خواہ گھر میں رہے یا مسجد میں' بستی میں رہے یا میدان جنگ میں' آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی اپنوں اور بیگانوں سب کے لئے ایک روشن مثال رہی' مخالفت کے تمام طوفان میں کسی خاص یا دشمن کو آپ ﷺ کی زندگی کے معاملات میں معمولی سی خامی بھی نہ مل سکی' جس کی نشاندہی کرتے یا جسے آپ ﷺ کی تعلیم کے خلاف بہانہ کے طور پر پیش کرتے۔

آپ ﷺ کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جدوجہد میں حصہ لیا اور امن و جنگ کے ماحول میں آپ ﷺ کی پیروی کی۔ تاریخ میں ایسے مرتبہ کے مالک بنے کہ لوگ بڑے بڑے مرتبے پائیں گے مگر اب ان جیسا کوئی نہ ہو گا۔ آپ ﷺ نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر دین کو مستحکم کیا۔ کفار مغلوب ہوئے' مکہ فتح ہو گیا اور بیت اللہ کو خدائے واحد کی عبادت کے لئے پاک وصاف کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں وفات پائی اور مدینہ میں ہی آپ ﷺ کا روضۂ مطہر تمام جہان کے روحانیوں یعنی ولیوں اور فرشتوں کی محبت کا مرکز ہے جس کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ محض اس کے تصور سے ہی دل پر نور برسنے لگتا ہے۔ وفات کے بعد آپ ﷺ کی روحانی تاثیر ایک ایسا بھید ہے جس سے واقف ہونے کے لئے صرف صاحب جذب وذوق ہونا شرط ہے۔

تاریخ کا وہ دور جس میں اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی زندگی کا سرمایہ ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ دور انسانی تہذیب کے ارتقا کا حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے اس قافلے سے دور کے تعلق کو بھی اپنے لئے باعث صد عز و شرف تصور کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔

در قافلۂ کہ اوست دانم نہ رسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

ابھی یہ دنیا شاید مہ و سال کی گردشوں سے گذرے گی مگر تاریخ کے اس مخصوص دور میں اعلیٰ ترین عالمگیر تہذیبی و ثقافتی اقدار کی حفاظت کرنے والے اس گروہ اور اس کے سالار کی فضیلت کو کوئی نہ پہنچ پائے گا۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ بعد میں آنے والوں کی عظمتیں صرف ان کی اطاعت و متابعت پر منحصر رہیں گی۔ رحمت دو جہاں ﷺ کی آمد طلوع آفتاب کی مانند تھی کہ ہر قسم کی ظلمت چھٹ گئی اور کوئی کونا ایسا نہ رہا جو روشنی سے محروم ہو گیا ہو۔ حقیقت محمدیہ ﷺ جو تمام نبیوں کی ذات میں زمانے کی مقتضیات کے مطابق جھلک دکھاتی رہی تھی' آپ ﷺ کی ذات اقدس میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئی اور آپ ﷺ کے ان کامل و اکمل خصائص کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت بھی فضیلت کی مستحق ٹھہری۔ آپ ﷺ کی عظیم شخصیت روحانیت کے انوار کا سرچشمہ بنی اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے قلوب ان الوہی انوار سے منور ہو گئے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کو دنیا نے اس طرح قبول کیا جس طرح ایک تشنہ لب مسافر تازہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس تعلیم میں کوئی تضاد ہے نہ اختلاف' ہر بات اس میں واضح ہے۔ اگر ظاہر کی

آراستگی کے بارے میں بین احکام موجود ہیں تو باطن کی صفائی کے بارے میں بھی تاکید موجود ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس عظیم نبی ﷺ، عظیم انسان ﷺ اور حقیقت محمدیہ ﷺ کے مظہر تامہ کی تعلیم سے کہیں بھی کوئی کچھ بہرہ ور ہوا تو اس کی شخصیت ایک ایسا چراغ بن گئی جس سے کئی چراغ جل اٹھے۔ بادشاہ، سپہ سالار، مقنن، مفکر، معلم، درویش، عابد و زاہد سب حیثیات محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں جمع ہو گئی تھیں لیکن بعد میں یہی خصوصیات آپ ﷺ کی امت کے افراد میں فرداً فرداً بھی ظاہر ہو کر چمکیں تو رفعتوں نے ان کے قدم چومے۔

شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال ہے بے نقاب

جان رحمت ﷺ کی رسالت میں تمام اعلیٰ مراتب جمع ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے مرتبہ رسالت کو کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے تو وہ ہے معلم۔ حدیث انما بعثت معلما اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ نبی علم لدنی کا مدعی ہوتا ہے۔ وہ ایسے مقام علم پر فائز ہوتا ہے کہ تمام اوہام و عقائد باطلہ اس کی سیدھی سادھی ستھری تعلیم کے سامنے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس کی تعلیم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کا حصہ طریق عبادات، قانون اور معاشرتی عدل و انصاف سے تعلق رکھتا ہے اور باطن کا حصہ قلب و روح کی پاکیزگی نیت و ارادہ کی یکسوئی اور دینی جذبہ و احساس سے متعلق ہے۔ دراصل یہی حصہ پیغمبر کی تعلیم کا مغز اصل روح ہوتا ہے۔

محبوب کریم ﷺ کا علم جب نسلوں میں منتقل ہوا تو دو طبقے اس کے وارث بنے۔ علماء اور فقراء کے طبقے، مگر واضح رہے کہ یہ دو طبقوں والی بات محض تفہیم کی خاطر یا مطلب کی وضاحت کے لئے ہے۔ ورنہ دراصل یہ ایک ہی گروہ ہے، صرف بعض خصائص کی کمی بیشی یا تاکید و تائید کی وجہ سے ہم دو طبقے کہہ رہے ہیں۔ علماء نے علوم ظاہری یعنی فقہ و قانون وغیرہ کی تدوین و تدریس کا کام اپنے ذمہ لیا اور فقراء دینی نفسیات کے ماہر اور روحانی واردات و تجلیات کے مورد قرار پائے۔ اسی بات کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ علماء محبوب کریم ﷺ کے قال کے وارث ہیں تو فقراء محبوب کریم ﷺ کے حال کے وارث ہیں۔ جس طرح علماء کی مساعی سے فقہ و حدیث اور تفسیر کے علوم مدون ہوئے۔ اسی طرح فقراء نے قرب الٰہی، روحانی انعامات اور مکارم اخلاق کے علم و عمل سے دنیا کو مستفیض کیا مگر جیسا کہ کہا گیا ہے ان طبقوں کے افراد کی حیثیت میں کوئی واضح خط امتیاز موجود نہیں ہے۔ فقراء کے طبقے میں تو بھی ایسے ہوتے ہیں جن کے قلوب ذوق و شوق اتباع سنت کے فیض کی وجہ سے براہ راست علوم شریعت سے مطلع رہتے ہیں مگر علماء کے طبقہ میں بھی کئی ایسے باعمل ہوتے ہیں جو فقراء کامل کے مراتب حاصل کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء باعمل اور فقراء کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے ہمیں انسان کامل کے درجہ و مرتبہ کا نشان دیا۔ جنہوں نے اس کے وجود کی معرفت پر غور کیا اور جو کچھ ان پر منکشف ہوا،

اسے ہم پر ظاہر کر دیا اور یوں ہمارے قلوب و ارواح کو آپ ﷺ کی محبت و معرفت سے منور کرنے میں مد ہوئے۔ پھر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں انسان کامل ﷺ پر جن کے بارے میں کہا گیا اللہ یتجلی بصورۃ محمد ''اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں تجلی فرمائی''۔ جن کی خدمت میں ایک شاعر نے یوں عرض کر کے آگے بات کرنے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حیات بعد الوفات

محترم قارئین کرام از زیارت سرور کائنات ﷺ کی کیفیت اور اس کے واجب، سنت اور مستحب ہونے کے بارے میں چند کلمات بطور اختصار تحریر کئے جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی سپرد قلم کیا جاتا ہے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین نے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے کیا کچھ کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کے بارے میں کہ وہ قبور میں بقید حیات ہیں ان کا کیا عقیدہ ہے۔ نیز محبوب کریم ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر آپ ﷺ کی ذات گرامی سے توسل کرنا اور امداد طلب کرنا وغیرہ امت محمدیہ ﷺ کے نزدیک کیسے امور ہیں۔

آپ پر یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ سید المرسلین ﷺ کی زیارت بہ اتفاق اہل سنت و جماعت، علمائے سلف و خلف کے نزدیک قولاً و فعلاً افضل سنتوں میں سے اور مؤکدہ مستحبات میں سے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیارت جان رحمت ﷺ ایک ایسی سنت ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور ایک ایسی فضیلت ہے جس کی طرف سب نے شوق اور رغبت دلائی ہے۔ بلکہ بعض مالکی حضرات نے تو یہاں تک کہا ہے کہ زیارت رحمت دو جہاں ﷺ واجب ہے۔ بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ زیارت ایک ایسی سنت ہے جو تقریباً واجب ہے۔ گویا اس کو ایک طرح سنت مؤکدہ ٹھہرایا ہے جو واجب کے قریب ہوتی ہے کیونکہ اس میں تاکید پائی جاتی ہے۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت زیارت حج کے ادا کرنے کے بعد عمل میں لائی جائے، قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی علماء میں مشہور معروف حیثیت رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب زائر یا حاجی حج سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ملتزم میں وقوف کرے اور وہاں دعا مانگے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حاضری دے اور محبوب کریم ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت سے مشرف ہو۔ قاضی ابو طالب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے بعد یہ امر مستحب ہے کہ محبوب کریم ﷺ کی زیارت کا قصد کرے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ حاجی کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ ان امور کی ابتداء مکہ مکرمہ سے کرے اور مناسک حج بجالانے کے بعد بغرض زیارت روضہ مبارک مدینہ منورہ میں حاضری دے۔ حضرات حنفیہ کے نزدیک رحمت دو جہاں ﷺ کی زیارت ان مستحب اور پسندیدہ امور میں سے ہے جن کی فضیلت کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ پس ایسے امور دینی جو مؤکدہ ہوں وہ واجبات کے درجہ

کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

بہر حال جہاں تک مذاہب اربعہ کے علماء کا تعلق ہے انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حج کو مقدم رکھا جائے۔ مگر بعض علمائے سلف نے اس کے باوجود کہ حج کا راستہ مدینہ منورہ کی طرف سے نہ ہو۔ مدینہ شریف میں پہلے ہی حاضری دینے کو لوازمات میں سے شمار کیا ہے لیکن تابعین میں سے علماء کی ایک جماعت کو اس سے اختلاف ہے کہ مکہ معظمہ میں آنے سے پہلے زیارت مدینہ کی جائے۔

☆ تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ نے جان رحمت ﷺ کی زیارت اور قربت کو اصول اربعہ کے پیش نظر نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے چنانچہ سب سے پہلے کتاب اللہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله۔ موصوف نے یہ آیت کریمہ لکھ کر اس امر کی وضاحت کی ہے کہ یہ آیت رحمت دو جہاں ﷺ کے دربار میں حاضر ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس ضمن میں تشویق اور ترغیب بھی دیتی ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ روضہ اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر راحت جاں ﷺ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرے اور آپ ﷺ سے استغفار کا طالب ہو۔ امت کے لئے یہ وہ عظیم نعمت ہے جو قیامت تک کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رحمت دو جہاں ﷺ کی حالت حیات و ممات ایک جیسی ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز محبوب کریم ﷺ کا ظاہری موت کے بعد بھی امت کے لئے استغفار کرنا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور تمام علماء و مفسرین نے اسی آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ آپ ﷺ کی حالت حیات و ممات معتدل اور برابر ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے زیارت روضہ اقدس ﷺ کے آداب کے بارے میں یہ حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت شریفہ کو پڑھے۔

ایک اعرابی کا واقعہ ہے کہ وہ راحت جاں ﷺ کی رحلت کے بعد بغرض زیارت روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور یہی آیت مذکورہ بالا تلاوت کی۔ اعرابی کا یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ تمام مذاہب کے علماء نے جنہوں نے مناسک حج پر کتابیں تصنیف کی ہیں اس حکایت کو پیش کیا ہے اور نہ صرف بہ نظر استحسان دیکھا ہے بلکہ اس حکایت کے سلسلہ میں وہ تمام اسناد بھی پیش کی ہیں جن کو ائمہ کبار نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ محمد بن حرب ہلالی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں مدینہ منورہ آیا اور روضہ اقدس کی زیارت کی اور جالیوں کے سامنے بیٹھ گیا۔ اچانک وہی اعرابی آیا اور اس نے روضہ مبارک پر حاضری دی اور کہا کہ یا خیر الرسل (ﷺ)! آپ ﷺ کو اللہ قادر و کریم نے ایک سچی کتاب دی ہے اور اس میں فرمایا ہے۔ ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ ﷺ کو اپنی بخشش کا شفیع بناتا ہوں' یہ کہا اور زار زار رونے لگا۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔ ترجمہ "کیا عظیم اور سراپا خیر ہستی اس جگہ مدفون ہے۔ آس پاس کے تمام ٹیلے ہموار

زمینیں اس کی پاکیزہ خوشبو سے مہک اٹھی ہیں' میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ﷺ آرام کر رہے ہیں کیونکہ اس میں پاکیزگی وخوبی' بخشش وکرم اور عنایت ومہربانی سب کچھ موجود ہے''۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ میں حاکم کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرمار ہے ہیں کہ اس اعرابی کو تلاش کرو اور خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے تمام گناہ معاف کردیئے اور اس کو بخش دیا ہے

☆ حافظ عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کتاب مصباح الظلام میں حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ راحت دوجہاں ﷺ کی تدفین کے تین روز بعد وہی اعرابی روضہ اقدس پر آیا اور اپنے آپ کو محبوب کریم ﷺ کی قبر مبارک پر ڈال دیا۔ پھر راحت دوجہاں ﷺ کی خاک پا اپنے سر کے اوپر بکھیر کر کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ! جو کچھ آپ ﷺ نے اللہ کریم سے سنا ہے' ہم نے آپ ﷺ سے سنا ہے اور جو کچھ آپ ﷺ نے اللہ کریم سے حاصل کیا ہے' نیز جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس میں سے یہ آیت شریفہ بھی ہے۔ ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله ۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ ﷺ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ میرے لئے مغفرت طلب کریں۔ اس پر روضہ مبارک سے آواز آئی اور کہا گیا کہ قد غفر لك'' تجھے بخش دیا ہے''۔

رحمت دوجہاں ﷺ کی زیارت کے ثبوت کے سلسلہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ ان احادیث میں سے بعض حدیثوں میں لفظ زیارت قبر صراحتہً آیا ہے۔ البتہ بعض احادیث میں دوسرے الفاظ آئی ہیں جو اس مفہوم پر حاوی ہیں۔ ان احادیث میں بعض یہاں درج کی جاتی ہیں (ترجمہ احادیث)۔

☆ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی' اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی''۔

☆ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت جائز ہو گئی''۔

☆ جو شخص صرف اس لئے آیا کہ وہ میری زیارت کرے اور میری زیارت کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو مجھ پر ذمہ داری ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں''۔

☆ ''جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی' وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

☆ ''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر زیادتی کی''۔

☆ ''جس نے مدینہ طیبہ میں آکر میری زیارت کی میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں''۔ ایک دوسری روایت میں یوں ہے ''جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں''۔

☆ ''جس نے باقاعدہ ارادہ کرکے میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جس نے حرمین میں سے کسی ایک جگہ وفات پائی وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں اٹھایا جائے گا جنہیں امن نصیب ہوگا''۔

☆ ''جس نے اسلامی فریضہ یعنی حج ادا کیا' میری قبر کی زیارت کی' دین حق کے لئے جہاد کیا اور بیت المقدس میں نماز ادا کی' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ان احکام کے بارے میں نہیں پوچھے گا جو اس پر فرض کئے گئے ہیں''۔

☆ ''جس نے مکہ مکرمہ میں حج ادا کیا پھر اس نے میری زیارت کے لئے میری مسجد کا ارادہ کیا اس کے نامہ اعمال میں دو حج مبرور لکھ دیئے جاتے ہیں''۔

☆ ''جس نے میری زیارت وفات کے بعد کی گویا اس نے میری زیارت میری زندگی میں کی''۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے''۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس نے محبوب کریم ﷺ کے لئے درجہ بلند اور وسیلہ چاہا اس کے لئے قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت واجب ہو گئی اور جس نے محبوب کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی وہ آپ ﷺ کے پڑوس میں ہوگا''۔

قرآن شریف کی واضح آیات کے بعد جن سے شہداء اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی زندگی کا اثبات ہوتا ہے' احادیث میں سے یہ حدیث بہت مشہور ہے جسے العیلی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور جس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الممات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نماز بھی ادا کرتے ہیں'' اور وہ حدیث جو خاص طور پر رحمت دو جہاں ﷺ کی حیات بعد الممات کو ثبوت بہم پہنچاتی ہے اور مشہور معروف بھی ہے وہ یہ ہے مامن احدیسلم علی الار داللہ علی روحی حتیٰ ارد علیہ السلام ''یعنی کوئی سلام کرنے والا ایسا نہیں جو مجھے سلام کرے اور میں اس کے سلام کا جواب نہ دوں کیونکہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے''۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ''کوئی سلام کرنے والا ایسا نہیں ہے کہ جو مجھے سلام کرے اور میں اس کے سلام کا جواب نہ دوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لئے میری روح مجھے لوٹا دیتا ہے''۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے میری قبر پر آ کر مجھ پر درود بھیجا میں اس کا جواب دیتا ہوں اور جس نے میری قبر کے علاوہ کسی اور جگہ مجھ پر درود بھیجا تو اس کو بھی فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں''۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرفوعا روایت ہے کہ ''جو شخص بھی میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس سلام کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کا سلام مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور

دنیا اور آخرت کا بدلہ اس کے لئے کافی کر دیتا ہے اور میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں۔

☆ کتاب بروزر السافرت میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے کہ "جو آدمی اپنے کسی بھائی کی قبر پر زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہو جاتا ہے یہاں تک کہ زائر اٹھ جاتا ہے"۔

☆ ابن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "اگر کوئی اپنے کسی دوست کی قبر پر گزرے تو وہ اسے پہچانتا ہے اور اگر سلام کرے تو وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے"۔ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں احادیث بہت ہیں۔

☆ مازری کتاب توثیق عرا ی الایمان میں سلمان بن تمیم رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ "ایک رات میں نے جان رحمت ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ جو آپ ﷺ کی زیارت کو آتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو کیا آپ ﷺ ان سب کو سنتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں سنتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں"۔

☆ ابن نجار، ابراہیم یسار رحمتہ اللہ علیہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج ادا کیا اور اس کے بعد سید المرسلین ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آیا۔ جب میں روضہ اقدس پر پہنچا اور سلام کیا تو میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی وعلیک السلام کہہ رہا ہے۔ اس قسم کے واقعات اور مثالیں اولیاء اللہ اور امت کے صلحاء سے بہت روایت کی گئی ہیں۔

جہاں تک قبور میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی اور رحمت کائنات ﷺ کی حیات بعد الممات کا تعلق ہے تو باتفاق علماء وفات کے بعد ان کی حیات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام قبور میں شہداء کی اس زندگی کے مقابلہ میں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کامل تر حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور راحت جاں ﷺ تو سید الشہداء ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسے میرا علم میرے زمانہ حیات میں تھا۔ اس حدیث کو حافظ ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو یعلی رحمتہ اللہ علیہ معتبر راویوں سے نقل کر کے انس بن مالک رحمتہ اللہ علیہ سے رایت کرتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ محققین اور متکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ محبوب کریم ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور امت کے نیک کاموں سے خوش ہوتے ہیں۔ علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم قبروں میں بوسیدہ نہیں ہوتے۔

رحمت دو جہاں ﷺ کی زیارت خداوند تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ ہے "جس نے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی" اسی طرح

سورۃ فتح میں آیا ہے "جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ فی الحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں"۔ جان رحمت ﷺ کی زیارت آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی صحبت و ملازمت کا وہ درجہ رکھتی ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ حیات میں تھا۔ اس سلسلہ میں وہ احادیث اس بات پر وضاحت سے دلالت کرتی ہیں جو قبل ازیں مذکور ہو چکی ہیں اور ایک تحقیق کے طالب کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ من حج ولم یزرنی فقد جفانی "جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری زیارت نہیں کی اس نے میرے ساتھ زیادتی کی"۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ محبوب کبریا ﷺ کے ساتھ زیادتی سب سے بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے اور اس طرف سے لاپرواہی برتنا گناہ عظیم ہے۔ اس لئے زیارت مبارکہ کا ترک کر دینا پراگندگی خاطر اور پریشانی قلب کا سبب بنتا ہے۔ احقر کے نزدیک یہ گناہ کبیرہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے سامنے کیا ہوگا جو زیارت محبوب کریم ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے زیارت محبوب کریم ﷺ کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ میں اسی برے اعتقاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ زائر اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ زیارت سے مشرف ہو تو شرم و وقار کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ یوں سلام کرے۔ السلام علیک یارسول اللہ' السلام علیک یا نبی الکریم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ' السلام علیک یا خاتم النبیین' السلام علیک یا ابابکر الصدیق رضی اللہ عنک' السلام علیک یا عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنک۔ روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور رحمت دو جہاں ﷺ کی زیارت کے حصول کی خاطر راستہ کی تکالیف اٹھانا بھی ایک عظیم سعادت ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اس مقصد کے پیش نظر بہت زیادہ سفر اختیار کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شام سے بغرض زیارت مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے اس واقعہ کو ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے محبوب دو جہاں ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے کہ تم ہماری زیارت کے لئے مطلق نہیں آتے ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی وقت سفر کے لئے تیار ہو گئے اور مدینہ منورہ کی جانب چل پڑے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ مبارک پر حاضری دی تو بے اختیار روئے اور روئے نیاز خاک مزار پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ دیکھا کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اپنے حجرہ سے باہر آ رہے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو اپنی بغل میں لے لیا اور پیار کیا۔ ان دنوں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہما کا انتقال پر ملال ہو چکا تھا مگر اسے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اذان دیں مگر انہوں نے فرمایا کہ اگر حسن اور حسین فرمائیں تو ان کے ارشاد کی تعمیل ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے

لئے اذان نہیں کہی ہے چنانچہ اسی ضمن میں یہ واقعہ درج کیا جاتا ہے کہ جب محبوب کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اذان دیں تو آپ نے فرمایا اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! آپ نے مجھے مال کے عوض خرید کر خدا کے راستے میں آزاد کر دیا تھا۔ یہ کام آپ نے اپنے لئے کیا تھا یا خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیا تھا۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب بھی آپ مجھے اللہ کے لئے چھوڑ دو کہ جس طرح میرا جی چاہے میں اپنی زندگی گزاروں۔ مجھ میں یہ طاقت اور مجال نہیں ہے کہ محبوب کریم ﷺ کے بعد کسی کے کہنے سے موذن کے فرائض انجام دوں۔ اس واقعہ کے بعد ہی آپ شام چلے گئے تھے۔ جب واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ اذان دیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صحن مسجد میں اس جگہ جہاں سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں کھڑے ہوتے تھے پہنچ گئے۔ جب آپ نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو پورا مدینہ گونج اٹھا اور لوگ آہ و فریاد کرنے لگے اور جب اشهد ان لا اله الا الله کہا تو ایک ہل چل مچ گئی اور لوگ پہلے سے بھی زیادہ آہ و زاری کرنے لگے اور بالآخر جب آپ نے اشهد ان محمد رسول الله کہا تو ایک قیامت بپا ہو گئی اور مدینہ منورہ کے مرد و زن اور خورد و کلاں میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا جو گھروں سے نکل نہ آیا ہو۔ ہر شخص پر رقت اور گریہ طاری تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رحمت دو جہاں ﷺ کے حادثہ وفات کا غم تازہ ہو گیا ہے اور یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلبہ شوق کی بناء پر اذان کو مکمل کئے بغیر نیچے اتر آئے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر کتاب غنیته الطالبین میں کیا گیا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام فتح کر کے بیت المقدس کے لوگوں کے ساتھ صلح کر لی تو کعب احبار آپ کی خدمت میں آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے سے بہت خوشی ہوئی جس وقت آپ لوٹنے لگے تو آپ نے ان سے کہا کہ اے کعب کیا آپ ہمارے ہمراہ مدینہ جائیں گے اور رحمت دو جہاں ﷺ کی زیارت کریں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں یا امیر المومنین یہ تو بہت بڑی سعادت اور فضیلت ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا وہ روضہ اقدس کی زیارت تھی۔

☆ حضرت عبدالرزاق نے صحیح اسناد کے حوالہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر سے مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے روضہ مبارک پر حاضری دیتے تھے اور کہتے تھے کہ السلام عليك يارسول الله السلام عليك يا ابابكر السلام عليك يا ابتاه (عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ)۔ یہ روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب موطا میں بھی موجود ہے۔

☆ کسی آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع سے یہ پوچھا کہ تمہیں معلوم

ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روضہ مبارک کے پاس آ کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔ السلام علی النبی السلام علی ابی بکر السلام علی ابی (یعنی نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور میرے والد پر سلام ہو) تو اس آدمی نے جواب دیا کہ جی ہاں مجھے معلوم ہے۔

، حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ روضہ مبارک پر قبلہ کی طرف سے آنا چاہئے اور پھر قبلہ کی طرف پشت کر کے یہ کہنا چاہئے السلام علیك ایها النبی ورحمته الله وبرکاته۔

جہاں تک محبوب کریم ﷺ کی ذات گرامی کے وسیلے سے اپنی حاجات کو اللہ سے مانگنے اور شفاعت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کی بارگاہ عالی مقام میں پہنچ کر اپنی اعانت اور مدد طلب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا تعلق ہے تو یہ تمام پیغمبروں اور نبیوں کا فعل ہے اور ان کے بعد امت کے تمام صلحا اور اکابر کا متواتر عمل رہا ہے۔ جس کو ان کی سیرت کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کیا اس سے پہلے کہ آپ ﷺ کی روح پاک لباس جسمانی میں جلوہ افروز ہوئی ہو اور کیا اس کے بعد جب دنیاوی حیات کو آپ ﷺ نے رونق بخشی ہو یا پھر عالم برزخ ہو یا قیامت کا میدان' جہاں انبیاء اور مرسلین کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہے۔ الغرض کوئی عالم ہو اولین اور آخرین کے لئے شفاعت کا دروازہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی ذات والا صفات کھول سکتی ہے۔ آپ ﷺ ہی رحمتوں کے بحر ذخار کے شناور ہیں اور آپ ﷺ ہی انوار الٰہی کے منبع و مرکز ہیں۔ رحمت دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی کے توسل سے اعانت اور مدد طلب کرنے کے بارے میں چار مواقع ایسے ہیں جو احادیث و روایات سے ثابت ہیں۔ سب سے پہلا مقام جس کا تعلق آپ ﷺ کے توسل اور شفاعت سے ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تخلیق کائنات نہیں ہوئی تھی اور حیات انسانی نے ابھی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ اس سلسلہ میں جو احادیث و اخبار وارد ہوئی ہیں ان میں وہ حدیث خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اکثر علمائے حدیث نے جس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو آپ علیہ السلام نے توبہ اور عذر کے طور پر پروردگار کی خدمت میں درخواست کی یارب اسئلك بحق محمد ان تغفرلی "یعنی یا اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کے طفیل تو میری مغفرت کر دے"۔ اس پر بارگاہ خداوندی سے یہ خطاب ہوا کہ اے آدم (علیہ السلام)! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ابھی ان کے جوہر روح کو جسمانی صدف میں منتقل نہیں کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ تو بہتر جانتا ہے جس دن تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور میرے جسم خاکی میں روح پھونکی تھی تو میں نے سر اٹھایا اور دیکھا کہ پایہ ہائے عرش پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس دن میں نے معلوم کر لیا تھا کہ وہ تیرا ایک ایسا بندہ ہے جو تمام مخلوقات میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جسے تیری بارگاہ جلال میں سب سے زیادہ تقرب حاصل ہے۔ غیب سے ندا

آئی کہ چونکہ تو نے اس کو میری بارگاہ میں وسیلہ مغفرت بنایا ہے اس لئے میں نے تیری خطا بخش دی ہے۔ اے آدم (علیہ السلام) اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ کلمات جو حضرت آدم علیہ السلام نے درگاہ رب العزت سے سیکھے اور جو آپ علیہ السلام کی توبہ اور مغفرت کا سبب بنے جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ سے مترشح ہے وہ یہی کلمات تھے۔ الھی بحرمت محمد و الہ اغفرلی۔

☆ تقی الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب اعمال صالحہ کو وسیلہ ٹھہرایا جا سکتا ہے حالانکہ یہ اعمال اپنے اندر کوتاہی اور کمی کا پہلو رکھتے ہیں لیکن چونکہ اچھے عمل ہیں اس لئے حق تعالیٰ کی جناب میں مقبول و مستجاب ہوتے ہیں پس جان رحمت ﷺ کے توسل اور ان کی شفاعت کو جو محبوب رب العالمین ہیں اور اس کے سب سے زیادہ دوست ہیں کیونکر سب سے زیادہ مقبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں "اے سردار انبیاء (ﷺ) مصائب اور آلام کے ہجوم کے وقت میں آپ (ﷺ) کے علاوہ اور کس کے پاس جا کر پناہ لوں"۔ دوسرا موقع جہاں آپ ﷺ کی ذات گرامی سے مدد اور شفاعت طلب کی جائے۔ وہ دنیاوی حیات کے قیام میں ہے۔ چنانچہ ایسے مواقع جو حیات طیبہ میں پیش آئے اور جن میں محبوب کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو وسیلہ ٹھہرایا گیا وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

☆ حدیث شریف میں ہے کہ ایک نابینا شخص رحمت دو جہاں ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے حق میں دعا کیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے خیریت اور عافیت نصیب کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم بینائی چاہتے ہو تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں تا کہ تمہاری بینائی لوٹ آئے اور اگر آخرت کا بدلہ چاہتے ہو تو صبر کرو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے حق میں دعائے خیر کیجئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ وضو کرو اور یہ دعا پڑھو۔ اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمته يامحمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه ليقض لن۔ اللهم فشفعه فی۔

☆ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح و غریب بتایا ہے اور بیہقی نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور حدیث ہذا کے آخر میں یہ عبارت اور زیادہ کی ہے فقام وقد ابصر البصر۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے۔ ففعل الرجل فبرء۔ نیز اس بارے میں بھی احادیث بے شمار آئی ہیں کہ حاجت مندوں نے رحمت دو جہاں ﷺ کی خدمت اقدس میں آ کر آپ ﷺ سے اعانت طلب کی اور آپ ﷺ کو اپنی حاجت کے لئے وسیلہ اور ذریعہ بنایا۔ چنانچہ ایسے واقعات جن کا تعلق وسعت رزق، حصول اولاد، باران رحمت اور فراخی عیش وغیرہ سے ہو حدیث شریف میں

بکثرت آئے ہیں۔

رحمت دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی کو اپنی ضرورت وحاجت کے وقت وسیلہ بنانے کی تیسری صورت آپ ﷺ کی وفات کے بعد کی ہے۔اس بارے میں بھی احادیث واخبار بکثرت موجود ہیں۔چنانچہ طبرانی رحمتہ اللہ علیہ مجمع کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ کسی آدمی کی کوئی حاجت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وابستہ تھی مگر آپ اس کی طرف مطلق توجہ اور التفات نہیں فرماتے تھے اور اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی تھی۔ایک دن اس نے اپنی صورت حال عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیان کی اور یہ درخواست کی کہ اس کی کوئی تدبیر نکالی جائے۔انہوں نے کہا کہ وضو خانے میں جا کر وضو کرو اور پھر مسجد میں آکر دو رکعت نماز نفل ادا کرو اور یہ دعا پڑھو۔اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبینا محمد صلی اللہ علیه وله وسلم بنبی الرحمته۔یامحمد انی اتوجه بك الی ربی فیقضی لی حاجتی۔اس کے بعد اپنی حاجب بیان کرو۔وہ آدمی ان کے پاس سے چلا گیا اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا اس پر عمل کیا۔بعد ازاں وہی شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر آیا۔دربان نے فوراً اس کو خوش آمدید کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گیا۔آپ نے اس کو مسند خاص پر بٹھایا اور اس کے آنے کا مقصد پوچھا۔اس نے اپنی حاجت بیان کی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو بھی اس کی حاجت وضرورت تھی پوری کر دی اور کہا کہ آئندہ بھی جو حاجت تمہیں پیش آئے وہ میرے پاس آکر بیان کرو انشاء اللہ میں اس کو پورا کر دوں گا۔وہ شخص بہت خوش ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے ابن حنیف رضی اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے' کیا آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے میری حاجت پورا کرنے کے بارے میں کچھ کہا تھا۔انہوں نے میرا کام اس طرح سرانجام دیا ہے۔حالانکہ اس سے بیشتر کبھی وہ میری طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بخدا میں نے ان سے آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے سوائے اس بات کے کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا تھا کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور دعا کی درخواست کی تاکہ وہ تندرست ہو جائے۔پھر وہ تمام واقعہ جو گزشتہ حدیث میں بیان ہوا ہے اس کے سامنے بھی ذکر کر دیا اور اس واقعہ پر یہ قیاس کیا کہ چونکہ اس نے محبوب دو جہاں ﷺ کو اپنا وسیلہ بنایا تھا اس لئے اس کی مراد پوری ہو گئی (مزید تفصیل ہماری کتاب ''وسیلہ محبوب ﷺ'' اور ''جب بھی مانگو وسیلے سے مانگو'' میں ملاحظہ فرمائیں)۔

☆ قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے کہ خلیفہ ابو جعفر اور امام مالک رحمتہ اللہ کے درمیان مسجد نبوی میں ایک دفعہ مناظرہ پیش آیا۔انتہائے مناظرہ میں ابو جعفر کی آواز بلند ہو گئی۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اے امیر المومنین پیغمبر خدا ﷺ کی مسجد میں آواز کیوں بلند کر رہے ہو۔اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں اس سلسلہ میں ادب کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔کہ ''اپنی

آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو" اور ایسے حضرات کے بارے میں جو ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہیں فرماتا ہے "ایسے لوگ جو نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی پرہیزگاری کا امتحان لیتا ہے" ۔اس سے یہ بھی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ موت کے بعد بھی محبوب کبریاء ﷺ کا ادب واحترام ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ان کے زمانہ حیات میں تھا۔ خلیفہ پر آپ کے کہنے کا اثر ہوا اور اس کے دل پر رقت طاری ہوگئی اور خشوع وخضوع کے عالم میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ دعا کے وقت میں قبلہ کی طرف اپنا چہرہ کروں یا رسول اللہ ﷺ کی جانب متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ رحمت دو جہاں ﷺ کی طرف سے تم کیوں روگردانی کرتے ہو وہ تو آپ کا وسیلہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہی آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ لہٰذا محبوب کبریاء ﷺ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور انہی سے شفاعت طلب کرنی چاہئے تاکہ وہ قیامت میں آپ کے شفیع ہو جائیں۔ زیارت روضہ اقدس کے آداب کی طرف متوجہ ہونا مستحبات میں سے ہے' انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کیا جائے گا اور یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ محبوب کریم ﷺ کی ذات گرامی کو وسیلہ بنانا' آپ ﷺ کے دربار پر پہنچ کر دعا مانگنا اور روضہ المطہر پر غایت ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے (مزید تفصیل ہماری کتاب "آداب محبت" میں ملاحظہ فرمائیں)۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر کے واقعہ میں یہ مذکور ہے کہ رحمت دو جہاں ﷺ ان کی قبر میں اترے اور فرمایا۔ بحق نبیك والانبیاء والذین من قبلی ۔اس حدیث میں دونوں حالت میں توسل پر دلیل موجود ہے۔ یعنی محبوب کریم ﷺ کو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف اس بات پر دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ان کی وفات کے بعد ذریعہ اور وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور جب انبیاء علیہم السلام کو بعد از وفات وسیلہ بنانا جائز ہے تو پھر رحمت کائنات ﷺ کو وسیلہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا بلکہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو بھی ان کی وفات کے بعد وسیلہ بنایا جاسکتا ہے ہاں البتہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تخصیص ضرور پائی جاتی ہے اور اس بارے میں یہ حدیث بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ نیز اس مدعا پر یہ روایت بھی دلیل بن سکتی ہے جسے ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ ایک شخص رحمت دو جہاں ﷺ کی قبر مبارک پر آیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے باران رحمت طلب کیجئے کیونکہ وہ خشک سالی سے ہلاک ہو رہے ہیں۔" اسی آدمی نے رات کو رحمت کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو بشارت دو کہ باران رحمت نازل ہوگی۔ اس توسل کو ہم ایک ایسا توسل کہہ سکتے ہیں جس میں رحمت

دو جہاں ﷺ نے پروردگار سے دعا مانگی ہو تا کہ حاجت پوری ہو جائے جیسا کہ آپ ﷺ حالات حیات میں دعا مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ اس عبارت کا مضمون اس مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ یامحمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی لیقضی لی۔

☆ ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت باشندگان مدینہ کو سخت قحط کا سامنا کرنا پڑا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے تو آپ نے فرمایا کہ روضہ اقدس پر جا کر حاضری دو اور اس کے جو دریچے آسمان کی جانب ہیں انہیں کھول دو تا کہ محبوب کریم ﷺ کے اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ ایسا ہی کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ پھر بارش بہت ہوئی۔ آپ نے جو یہاں آسمان کی طرف دریچہ کھولنے کا حکم دیا تھا اس میں یہ واضح طور پر اشارہ تھا کہ درگاہ رب العالمین میں محبوب کریم ﷺ کی دعا اور سوال اور مطلوب کے حصول کے لئے دروازہ کھل جائے۔ اس طرح راحت جاں ﷺ کی خدمت میں کسی سائل کا یہ سوال ہے جو اس نے کیا تھا اسئلك مرفقتك فی الجنته "یعنی میں آپ ﷺ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست کریں اور شفاعت فرمائیں کہ وہ جنت میں مجھے آپ ﷺ کی رفاقت اور معیت کی سعادت سے مشرف فرمائے"۔

☆ چوتھا وہ توسل ہے جو میدان قیامت میں محبوب کریم ﷺ کو اپنا شفیع بنانے کے سلسلہ میں ہے۔ آپ ﷺ کی شفاعت بھی بہت سی احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس توسل پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ان اکابر اور صلحائے امت سے توسل کے بارے میں بھی احادیث اور روایات موجود ہیں جن کو رحمت کائنات ﷺ کے ساتھ نسبت خاص ہے۔ اس کا ثبوت اس قصہ سے بہم پہنچتا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقا کی درخواست کی تھی چنانچہ صحیح حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس سال قحط واقع ہوا اور بارش کا سلسلہ منقطع رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس بات کا وسیلہ ٹھہرایا کہ وہ پروردگار عالم سے باران رحمت کی دعا مانگیں۔ آپ یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! اس سے پہلے جب بھی قحط واقع ہوتا تو ہم تیرے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور تو باران رحمت نازل فرما دیتا تھا۔ اب ہم تیرے محبوب ﷺ کے چچا کو وسیلہ بنا رہے ہیں اس لئے تو بارش فرما دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ اے اللہ! ہم تیرے محبوب ﷺ کے عم محترم کے ذریعہ ایک بزرگ کے ذریعہ باران رحمت کی درخواست کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہتے تھے کہ یا اللہ یہ لوگ میرے پاس اس نسبت کی غرض سے آئے ہیں جو تیرے محبوب ﷺ کے ساتھ مجھے ہے۔ یا اللہ مجھے ان کے سامنے شرمندہ مت کر اور اسی سلسلہ میں عباس بن عتبہ بن ابی لہب نے کہا ہے (ترجمہ شعر) "میرے چچا کی دعا کے ذریعے

اللہ تعالیٰ نے حجاز اور اس کے باشندوں کو سیراب کیا ہے''۔

رحمت کائنات ﷺ کے مرقد مبارک پر مسکینوں اور حاجت مندوں کی فریاد اور استغاثہ سے جو مرادیں پوری ہوتی ہیں اور مقاصد حاصل ہوتے ہیں اس بارے میں بھی احادیث و روایات بکثرت ملتی ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں محمد بن المنکدر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ۸۰ دینار امانت کے طور پر میرے والد کے پاس رکھ دیئے اور خود جہاد پر چلا گیا اور اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ اگر تجھے ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ کر لے۔ میرے باپ نے ضرورت کے وقت وہ رقم خرچ کر دی۔ جب وہ آدمی واپس آیا تو اس نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ میرا باپ اس کو ادا نہ کر سکا اور یہ کہا کہ کل آئے اور پھر میں اس کا جواب دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد نبوی ﷺ چلا گیا اور رات وہیں گزاری۔ کبھی وہ مرقد مبارک کے روبرو اور کبھی منبر کے پاس جا کر محبوب کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا اور فریاد کرتا تھا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں اچانک ایک آدمی نمودار ہوا اور اسی دینار کی تھیلی اس کے حوالہ کر دی۔ صبح کے وقت وہ رقم مالک کو ادا کر دی اور اس طرح مطالبہ قرض کی زحمت سے چھٹکارہ حاصل کیا۔

☆ امام ابو بکر بن المقری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں طبرانی اور ابو الشیخ تینوں حرم شریف نبوی میں مقیم تھے۔ بھوک نے ہم پر غلبہ کر لیا اور دو روز اسی حال میں گزر گئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو ہم حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی طرف گئے اور کہا کہ یارسول اللہ ''الجوع'' یہ کلمہ کہتے ہی ہم لوٹ آئے مجھ پر اور ابو الشیخ پر نیند غالب آ گئی۔ طبرانی بیٹھے کسی چیز کا انتظار کرتے رہے کہ ناگاہ ایک غیبی آدمی نے دروازہ کھٹکٹایا۔ اس کے ساتھ دو نوکر بھی تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک زنبیل تھی جو کھانے' کھجور' روٹی اور دیگر اشیاء سے پر تھی۔ ہمارے سامنے وہ تمام چیزیں رکھ دیں اور ہم سب کے ساتھ مل کر اس میں سے کھایا۔ بعد میں جو باقی بچا وہ ہمارے پاس ہی چھوڑ دیا اور کہا کہ اے لوگو! تم نے جان رحمت ﷺ کے پاس جا کر بھوک کی شکایت کی تھی۔ اسی وقت میں نے رحمت دو جہاں ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ مجھے انہوں نے حکم دیا اسی بناء پر یہ تمام چیزیں تمہارے سامنے حاضر کی گئی ہیں۔

☆ ابن الجلا رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا۔ ایک دو فاقے مجھ پر گزر گئے۔ میں روضہ مبارک کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں' خواب میں میں نے محبوب کریم ﷺ کو دیکھا انہوں نے ایک چپاتی میرے حوالہ کی جس میں سے آدھی میں نے خواب کی حالت میں ہی کھالی۔ جب بیدار ہوا تو آدھی بچی ہوئی میرے پاس موجود تھی۔

☆ ابو بکر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور پانچ روز مجھ پر اسی طرح گزر گئے کہ میں نے مطلق کھانا نہ چکھا۔ چھٹے دن میں روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور کہا ''یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں'' پھر مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ محبوب کائنات ﷺ تشریف لا رہے

ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دائیں جانب‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں جانب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے کی جانب ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے کہتے ہیں کہ اٹھو رحمت دوجہاں ﷺ آگئے ہیں۔میں نے بیدار ہوکر آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔محبوب کریم ﷺ نے ایک روٹی مجھے عنایت کی۔جب میں بیدار ہوا تو اس روٹی کا بیشتر حصہ میرے پاس باقی تھا۔

☆ احمد بن صوفی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں تین مہینے تک جنگلوں میں سرگرداں پھرتا رہا۔کئی جگہ سے میرے بدن کی کھال پھٹ گئی تھی۔آخر کار مدینہ پہنچا اور رحمت کائنات ﷺ کے آستانہ پر حاضر ہوکر سلام عرض کیا۔اس کے بعد مجھے نیند آگئی۔میں نے رحمت دوجہاں ﷺ کو دیکھا وہ فرمارہے ہیں کہ احمد تم آگئے ہو۔تمہارا کیا حال ہے۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں بھوکا ہوں اور آپ ﷺ کی ضیافت کا طالب ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھولو۔میں نے ہاتھ کھول دیا۔آپ ﷺ نے چند درہم مجھے عنایت فرمائے۔اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔آپ ﷺ کے دیئے ہوئے درہم میرے پاس تھے بازار گیا اور فطیر وفالودہ خریدا اور خوب سیر ہوکر کھایا‘ پھر صحرا کی طرف چلا گیا۔

رحمت دوجہاں ﷺ کے فیوض وبرکات کی ایسی مثالیں‘ واقعات اور حکایات بکثرت ملتی ہیں (ترجمہ شعر) ’’ہرگز کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کے مکارم اخلاق سے کوئی امیدوار محروم رہا ہو یا کوئی پڑوسی اور مجاور آپ ﷺ کے پاس سے بغیر تکریم وتعظیم واپس آگیا ہو‘‘۔یہ بات واضح رہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اول ماخلق الله نوری ’’یعنی اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا نور ہے‘‘۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اپنی قدرت کاملہ سے تمام مخلوقات اور کائنات کو پیدا کیا تو رحمت دوجہاں ﷺ کے نور مبارک ہی سے سب کی تخلیق کی۔پس رحمت دوجہاں ﷺ کی ذات گرامی تمام مخلوقات کی اصل ہے اور اسی سبب سے آپ ﷺ تمام کائنات ومخلوقات کی طرف بھیجے گئے ہیں۔تمام محققین اور علماء اس فیصلہ پر متفق ہیں کہ رحمت کائنات ﷺ تمام مخلوقات اور موجودات کی جانب مبعوث ہوئے ہیں۔وہ صرف جن وانس اور ملائکہ کی طرف ہی نہیں بھیجے گئے بلکہ سارے جہان یہاں تک کہ نباتات وجمادات کے بھی آپ ﷺ رسول (ﷺ) ہیں۔

محبوب کریم ﷺ کی دعائیں رحمت کی گھٹائیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔بینما رسول الله ﷺ یخطب یوم الجمعة اذجاء رجل فقال یا رسول الله قحط المطر فادع الله ان یسقینا فدعا فمطرنا فما زلنا نمطر الی الجمعة المقبلة فقام ذالك الرجل اوغیرة فقال یارسول الله! ادع الله ان یصرفه عنا فقال رسول الله ﷺ اللهم حوالینا ولا علینا قال فلقد رایت السحاب ینقطع یمینا وشمالا یمطرون ولا یمطر اهل المدینة (بخاری شریف ۹:

۱۳۸)۔ایک دفعہ محبوب کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آ گیا اور عرض کی' حضور (ﷺ) ! بارش رک گئی ہے' آپ ﷺ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب فرمائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا' یہاں تک کہ دوسرا جمعہ آ گیا' پھر وہی آدمی یا کوئی اور کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس بارش کو کسی اور جگہ بھیج دے۔ چنانچہ رحمت دو جہاں ﷺ نے دعا کی' یا اللہ ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اردگرد علاقوں پر بارش نازل فرما یا۔ میں نے دیکھا کہ فوراً بادل دائیں بائیں چھٹ گیا' مدینہ منورہ کے سوا گردو پیش میں برابر بارش ہوتی رہی۔

اس حدیث پاک میں اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں جب بھی بارش رکی اور قحط کے آثار پیدا ہوئے تو انہیں بارگاہ نبوی ﷺ یاد آتی تاکہ نزول باراں کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کی التجاء کی جائے' دعا وہ خود بھی کر سکتے تھے اور انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ان کا رب شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ ہر بندے کی دعائیں اور ندائیں سنتا ہے مگر بندے' بندے میں بھی تو فرق ہوتا ہے۔ کوئی صرف بندہ ہوتا ہے اور کوئی اس کا بندہ یعنی عبــدہ ہوتا ہے اور یہ دونوں بندے برابر نہیں ہو سکتے۔ عام بندے کی دعا رد بھی کی جا سکتی ہے مگر وہ بندہ جو عبدہ کے منصب پر فائز ہو اس کی دعا کو فوری قبولیت کی عزت بخشی جاتی ہے اور پھر لوگوں پر جب اس کے مقام عبدیت کا راز کھلتا ہے تو وہ اس کے اور گرویدہ ہو جاتے ہیں اور قدرت کو بھی یہی منظور ہوتا ہے کہ اس کے بندے خاص بندے کے مقام قرب اور مقبولیت سے آگاہ ہوں۔ جان رحمت ﷺ کے مقام و مرتبے کا اس طرح بھی اظہار ہوتا رہتا تھا' بارش رکتی تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدھے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے تھے اور محبوب کریم ﷺ کی دعا سے فوراً بارش ہو جاتی تھی تو وہ محبت سے سرشار ہو جاتے تھے اور اس طرح ان کے ایمان کی تازگی اور بالیدگی کا سامان ہوتا ہی رہتا تھا۔ ایسے ایمان افروز واقعات وقوع پذیر ہوتے ہی رہتے تھے اور ان کا سلسلہ جان رحمت ﷺ کے بچپن ہی سے جاری تھا' دعاؤں کے ساتھ اٹھنے والی ان رحمت کی گھٹاؤں کی تفصیل یوں ہے۔

بچپن میں ظہور برکت

یہ اس دور کی بات ہے جب محبوب کریم ﷺ شیر خوار بچے تھے مگر عظمت و نجابت اور بے مثلیت کے آثار چہرے بشرے سے ہویدا تھے اور دیکھنے والے پہلی ہی نظر میں جان لیتے تھے کہ مستقبل کی غیر معمولی ہستی ہیں اس لئے بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے اور بے حد احترام کرتے تھے۔ اس دور میں زبردست قحط اور خشک سالی نے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لوگ پانی کی ایک بوند کو ترس گئے اور ان کے لئے آسمان کو حسرت بھری نظروں کے ساتھ دیکھنے کے سوا کوئی اور کام نہ رہا بھوک سے ان کے جسم سوکھ گئے اور ہڈیاں نمایاں ہو گئیں۔ آہیں اور حسرتیں آنسوؤں میں ڈھل گئیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا آسمان پر ایک بدلی بھی نمودار نہ ہوئی۔ آخر حضرت عبدالمطلب کو ایک کارگر تدبیر سوجھی' قدرت اور قسمت نے ان کی رہنمائی کی' وہ محبوب

کریم ﷺ کے چہرہ انور پر سعادت و محبوبیت کی جو تحریریں پڑھ رہے تھے انہوں نے انہیں شوق دلایا کہ آپ ﷺ کے وسیلے سے بارش مانگ کر دیکھ لیں ضرور مراد پوری ہو گی۔ حضرت عبدالمطلب کی قیادت و معیت میں تمام لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ ابو طالب تو مولود عظیم المرتبت صاحبزادے ﷺ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے اور سینے سے لگائے اپنے ابا جان حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے رحمت دو جہاں ﷺ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ اے پروردگار اس حسین بچے (ﷺ) کے طفیل ہم کو بارش عطا فرما۔ ہم اس کا وسیلہ تیرے دربار میں پیش کرتے ہیں' آپ نے تین بار اسی طرح کہا وہ آسمان جو آگ برسانے کا عادی ہو چکا تھا اور عرصہ سے بے ابر پڑا تھا' اچانک ابر آلودہ ہو گیا ہر طرف گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور مینہ برسنا شروع ہو گیا' اتنی زبردست اور موسلا دھار بارش ہوئی کہ چھتوں کے پرنالے منہ زور نالوں کی طرح بہنے لگے۔

جان رحمت ﷺ کی برکت اور قبولیت کا یہ منظر حضرت ابو طالب کے ذہن پر نقش ہو گیا وہ تقریباً پینتالیس سال بعد بھی اس واقعہ کو نہ بھولے اور شعب ابی طالب میں جب بنو ہاشم کو نظر بند کیا گیا تو اس وقت آپ نے ایک زوردار قصیدہ لکھا' جس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا اور اہل مکہ کو آگاہ کیا کہ ایسی بابرکت ہستی کو ہم تمہارے سپرد نہیں کریں گے بلکہ انکے دفاع میں اپنی جان اولاد اور ہر چیز قربان کر دیں گے جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اپنی یہ متاع ان کے سپرد کر دیں گے وہ غلطی پر ہیں۔ اس حقیقت افروز قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

''وہ گورے چہرے والے جن کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ غریبوں کے والی یتیموں کے ملجا ہیں۔ بنو ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کے گرد گھومتے اور ان کے پاس آرام و راحت اور سکھ چین کے ساتھ رہتے ہیں''۔

حضرت ابن عمر ارشاد فرماتے ہیں ربما ذکرت قول الشاعر وانا انظر الی وجه النبی ﷺ یستسقی فما ینزل حتی یخیش کل میزاب (بخاری ۱: ۱۳۷) ''مجھے بار بار ابو طالب کا یہی شعر یاد آ جاتا تھا جب میں محبوب کریم ﷺ کا چہرہ دیکھتا تھا آپ ﷺ بارش کی دعا میں مصروف ہوتے تھے۔ ابھی منبر شریف سے اترتے بھی نہ تھے کہ پرنالے بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے طلب باراں کے لئے اکثر آپ ﷺ کی بارگاہ میں التجائیں کی جاتی تھیں ان میں چند واقعات یہ ہیں۔

بارگاہ بے کس پناہ

ایک مرتبہ قحط کی ہولناکیوں نے فضاؤں اور ہواؤں پر تسلط جما لیا' ہواؤں میں نمی تک نہ رہی اور

فضائیں خشک اور زہرناک ہو گئیں ریگ رواں اور بادسموم کے تیز جھکڑوں کے سوا قحط زدہ لوگوں کے لئے اور کوئی تحفہ نہ رہا' ریگستان سنسان اور نخلستان ویران ہو گئے۔ گریہ وزاری سے آنکھوں کا پانی بھی خشک ہو گیا۔ قدرت کو اپنے محبوب ﷺ کی جلالت شان کی نمود و کشود مسلور تھی اس لئے قحط کی صورت میں اس کے مظاہرے کے اسباب پیدا کر دیے۔ حالات کی ستم رانی سے گھبرایا ہوا ایک دیہاتی روتا پیٹتا حضور رحمت مجسم مشکل کشا آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بڑے دلگداز انداز میں داستان غم نہاں بیان کی' اور لوگوں کی تکالیف و مصائب کا موثر پیرائے میں نقشہ کھینچا۔ اس نے خشک سالی کی حشر سامانیوں اور تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچنے کے لئے جو اشعار پڑھے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

''یارسول اللہ ﷺ! جن حالات میں ہم آپ ﷺ کے پاس طلب دعا و مناجات کے لئے آئے ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں کہ افلاس کے باعث جواں لڑکیاں کام کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں اور محنت و مشقت کی وجہ سے ان کے سینے لہولہان ہو گئے ہیں اور صورت حال کی سنگینی نے لوگوں کو اس حد تک خودغرض بنا دیا ہے کہ ماں جیسی شفیق ہستی بھی اپنے بچے سے غافل ہو گئی ہے''۔ ''اور بھوک کی ناتوانی نے بچے کو اس حد تک نڈھال کر دیا ہے کہ بے حس و حرکت گرا پڑا ہے اور اس کے منہ سے کوئی تلخ یا شیریں بات نہیں نکل رہی ہے''۔ ''لوگ جو کچھ کھاتے ہیں اس میں سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو وہ آفت رسیدہ خراب تمہ ہے یا پھر خودرو بے کار گھاس''۔

ولیس لنا الا الیك فرارنا

واین فرار الناس الا الی الرسل

''آقا (ﷺ)! ہماری بھاگ دوڑ تو صرف آپ تک ہے اور لوگوں کی بھاگ دوڑ رسولوں کے سوا اور کہاں تک ہو سکتی ہے''۔ محبوب کریم ﷺ یہ فریاد سن کر بے قرار ہو گئے اور چادر گھسیٹتے ہوئے منبر شریف پر جلوہ فرما ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں دست دعا پھیلا دیے۔ یا اللہ! تو بڑا ہی غفور و رحیم ہے موسلا دھار اور لگاتار برسنے والا نفع رساں سحاب کرم بھیج جو مردہ ڈھانچوں میں زندگی کی روح ڈال دے' پستانوں کو دودھ سے بھر دے اور زمین کو تازگی بخش دے۔

ابھی رحمت دو جہاں ﷺ نے اپنے رخ انور پر ہاتھ بھی نہیں پھیرے تھے کہ بادلوں کے بادل ہر طرف چھا گئے اور کرم کے پہاڑوں نے آفاق کو ڈھانپ لیا اور اس طرح برسنا شروع کر دیا جیسے برساتی نالوں کے کشادہ دہانے کھول دیے گئے ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل ہو گیا اور پانی میں ہر چیز تیرنے لگی۔ بارش کا تسلسل قائم رہا تا آنکہ گردونواح کے لوگ بھاگم بھاگ آئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! کثرت باراں کے باعث ہر چیز غرق ہونے کے قریب ہو گئی ہے جلدی سے دعا کیجئے بارش رک جائے وگرنہ پانی سب کچھ بہا لے جائے گا۔ پانی سے محروم لوگ اس در کرم سے اس طرح سیراب ہوئے کہ اپنی وادیوں اور نہروں کی تنگ دامانی کی شکایت کرنے لگے۔ محبوب کریم ﷺ دعا کی فوری قبولیت

بارش کے نزول اور اس کی کثرت اور اپنے غلاموں کے متضاد ردعمل کا یہ عجیب منظر دیکھ کر اتنا مسرور ہوئے کہ جانفزا مسکراہٹ سے فضاؤں میں انوار اور نغمے بکھر گئے' ہر شئے پر بہار آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس خوشی کے عالم میں فرمایا للہ در ابی طالب لو کان حاضرا لقرت عیناہ من ینشدنا شعرہ ''ابو طالب کا بھلا ہو اگر وہ یہاں ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں ہمیں ان کا شعر کون سنائے گا''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر جھوم اٹھے اور عرض کی شاید آپ یہ شعر سننا پسند فرما رہے ہیں۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

اتنے میں بنی کنانہ کا ایک شاعر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنا نذرانہ عقیدت اشعار کی صورت میں یوں پیش کیا۔ ''اے اللہ! ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں اور یہ حمد شکرگزار بندوں کی طرف سے ہے کیونکہ ہمیں محبوب کریم ﷺ کے رخ پرنور کے وسیلہ سے بارش عطا کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے خالق و مالک اللہ تعالی کے حضور دعا کی اور ساتھ ہی نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا ایک ساعت نہ گزری تھی کہ ہم نے اس سے بھی پہلے بارش کے موتی دیکھ لئے۔ جس طرح ان کے چچا ابو طالب نے کہا ہے' وہ ویسے ہی خوبصورت اور درخشاں ہیں۔ پس جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ برکت دیکھتا ہے اور جو ناشکری اور بے قدری کرتا ہے وہ ردی چیز پاتا ہے''۔ محبوب کریم ﷺ اس کے ان صادق جذبات کے اظہار سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ ان یکن شاعر احسن فقد احسنت اگر شاعر بھی اچھی بات کہہ سکتے ہیں تو تو نے بہت اچھی بات کہی ہے۔

<u>وفد بنی فزارہ</u>

جان کائنات ﷺ غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر بخیر و عافیت واپس تشریف لائے تو بارہ افراد پر مشتمل ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو قبیلہ بنی فزارہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ان لوگوں کی حالت اتنی خستہ اور دگرگوں تھی کہ دیکھ کر رحم آتا تھا۔ نقاہت اور بھوک کی وجہ سے دبلے اونٹ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے تھے' خود آنے والے افلاس و غربت کا چلتا پھرتا اشتہار تھے۔ ان کی پریشان حالت دیکھ کر رحمت دو جہاں ﷺ کو بے حد ترس آیا ان پر بہت زیادہ شفقت فرمائی اور پیچھے کے حالات دریافت کئے۔ وہ بولے یا رسول اللہ ﷺ! ہم بے حد پسماندہ اور غربت زدہ لوگ ہیں۔ عرصہ سے بارش نہیں ہوئی جس نے ہماری معاشی حالت تباہ کر کے رکھ دی ہے آپ ﷺ سے التجاء ہے کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ ہم آپ ﷺ کو اللہ تعالی کے دربار میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ تعالی کو آپ ﷺ کے دربار میں شفیع بناتے ہیں۔ ان بھولے لوگوں کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس طرح نہیں کہا کرتے' ہم تو اللہ پاک کے دربار میں شفاعت کر سکتے ہیں مگر ایسا کون ہے جس کے دربار میں اللہ تعالی شفاعت کرے وہ تو خالق اور

عظیم و عالی ہے' اس کی جلالت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ البتہ تمہاری حاجت برآری اور دست گیری کا انتظام ہو گیا ہے دعا کرانے کے لئے وہاں پہنچ چکے ہو جہاں دعا قبول ہو کر لوٹتی ہے وہ مہربان و کریم رب ہے جس نے تمہیں یہ راستہ دکھایا ہے اور تمہاری مشکل کشائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ وفد کے آدمی گویا ہوئے۔ جب ہمارا رب اتنا ہی مہربان ہے تو ہمیں کوئی خدشہ نہیں اب ہمارا کام ضرور بن جائے گا۔ رحمت کائنات ﷺ نے دعا کے لئے دست مبارک پھیلائے معمول تھا کہ بارش کے لئے بازو مبارک اوپر اٹھا لیا کرتے تھے یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی اور چمک بھی نمایاں ہو جاتی تھی۔ آج بھی یہی طریقہ اپنایا اور یوں دعا کی۔

اے اللہ رحمت کے بادل بھیج دے' شہروں اور جانوروں کو سیراب کر دے' مردہ چیزوں میں آثار حیات پیدا فرما دے۔ خداوندا! ایسا ابر کرم برسا جو نقصان رساں اور جان لیوا نہ ہو' مکان نہ گرائے کسی کو غرق نہ کرے بلکہ رحمت و برکت کی نوید لے کر آئے یا خداوند کریم! جلد بارش نازل فرما۔ یہاں پہنچ کر محبوب کریم ﷺ کی دعا میں خشوع و خضوع کی کیفیت اور زیادہ پیدا ہو گئی۔ حاضرین سمجھ گئے اگرچہ سورج چمک رہا ہے مگر بادل گھر کرانے میں کوئی دیر نہیں لگے گی کیونکہ وہ اس قسم کے مناظر بار بار دیکھ چکے تھے اور عادی ہو چکے تھے کہ یونہی دعا ہوتی ہے بارش برسنے لگ جاتی ہے۔ اس وقت حضرت ابولبابہ کی کھجوریں مکان کی چھت پر دھوپ میں پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے سکھانے کے لئے اوپر ڈالی ہوئی تھیں وہ دعا مبارک کے یہ انداز دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ذرا ٹھہر جائیں میں گھر جا کر کھجوریں اٹھا لوں وگرنہ وہ پرنالے کے ذریعہ نیچے بہہ جائیں گی۔

در قرآن شان محمد ﷺ

قارئین کرام اگرچہ خلقہ القرآن بظاہر ام المومنین رضی اللہ عنہا کا فقرہ ہے مگر وجدان بتاتا ہے کہ یہ سراسر الوہی بیان ہے۔ ایک پیکر نور کی ثنا کے لئے حروف نور کا جامہ لیا گیا ہے۔ صدیقہ کائنات نے اس تین لفظی فقرے میں سیرت محبوب ﷺ کو جس جامعیت کے ساتھ سمیٹ دیا ہے سیرت نگاری کی دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ پوچھنے والے کو کیا خبر تھی کہ اس کا سوال اپنے اندر کتنی جاذبیت اور کیا کیا مضمرات لئے ہوئے ہے۔ اس کا جواب کتنا لازوال اور تابناک ہو گا۔ اس کی معنویت اور وسعتوں کا عالم کیا ہو گا۔ سائل تو ایک سیدھا سادہ آدمی تھا اور اس نے نہایت سادگی سے دریافت کیا۔ ام المومنین! مجھے بتایئے میرے آقا ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ لیکن اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ نہ صرف یہ کہ خود امول ہے بلکہ اس نے سائل اور اس کے سوال کو بھی رہتی دنیا تک امر کر دیا۔ جواب سے کھلا کہ بظاہر عام سا یہ سوال کس قدر اہم تھا اور پوچھنے والا نوع انسانی کا کتنا بڑا محسن' جس کی بدولت ہمیں شش جہات میں رنگ و نور بکھیرتا یہ جواب میسر آیا۔ دیکھیے صدیاں بیتیں اس جواب کی بازگشت آج بھی کائنات میں چار سو گونج رہی ہے۔ ساری مخلوق ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ہم آواز ہے اور بحر و بر میں ہر طرف ایک ہی پکار کان

خلقہ القرآن ''یعنی آقا ﷺ کا اخلاق ہی قرآن ہے''۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تو انبیاء علیہم السلام آئے اور لاکھوں ہی مصلح' داعی اور انقلابی ہیرو گزرے مگر رشد و ہدایت اور دعوت و عزیمت کی ساری تاریخ ورق ورق' سطر سطر کھنگال لیجئے ایسا انمول تذکرہ کسی شخصیت کا نہیں ملے گا۔ کسی انسان کی پوری زندگی کو اس طرح تین لفظوں میں نہ سمیٹا گیا ہو گا۔

دنیا کے سوانحی ادب کا یہ سب سے مختصر فقرہ اپنے اندر معانی کے ہزاروں جہان رکھتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ سوال جس ہستی سے کیا گیا اسے رب نے اپنے محبوب ﷺ کی خاطر چنا ہی اس لئے تھا کہ وہ شب و روز کی رفاقت میں ان کی شخصیت' سیرت اور کردار کے سارے ڈھنگ رنگ چن لے اور آفاق میں ہر سو ان کے جلوے بکھیر دے۔ چنانچہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے اس تین لفظی فقرے میں سیرت محبوب کریم ﷺ کے ہزاروں رنگ جس خوبصورتی سے اجاگر کئے ہیں وہ تذکار شخصیت کا یکتا نمونہ ہے۔ سوانح نگاری کی دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حق یہ کہ کوزے میں سمندر اور ''دریا بہ حباب اندر'' کی تمثیلیں بھی یہاں اپنی تنگنائیوں کا احساس دلانے لگتی ہیں کیونکہ جس ذات اقدس کے کسی ایک ہی گوشہ سیرت کے بیان میں کل مخلوق بال بال زبان' سارے درخت شاخ شاخ قلم اور تمام سمندر قطرہ قطرہ روشنائی بن کر صرف ہو جائیں اور پھر بھی تنہا ایک کمال کا احاطہ نہ ہو سکے اس کی پوری سیرت کو تین لفظوں میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ کوشش کامیاب صرف اس لئے ہے کہ یہاں زبان براہ راست نبوت سے بہرہ یاب' نعت اپنے ممدوح کی ترجمان اور بیان کا استعارہ خدا کا کلام ہے۔

کان خلقہ القرآن بظاہر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا فقرہ ہے مگر وجدان بتاتا ہے کہ یہ سراسر الوہی بیان ہے۔ اس میں ایک بیکراں ذات کا تعارف دوسری بے کنار چیز سے کرایا ہے۔ یہاں ایک ہستی مخلوق کو کلام خالق کے آئینے میں اتارا گیا ہے۔ ایک پیکر نور کی ثنا کے لئے حروف نور کا جامہ لیا گیا ہے۔ گلدستہ عبدیت کو گلدان قدرت وحدت میں سجایا گیا ہے۔ یہاں انسان کامل کے لئے قرآن کا استعارہ برتا گیا ہے کہ دونوں خدا کی شاہکار ہیں اور ظاہر ہے کہ شاہکار ہی شاہکار کا بیان ہو سکتا ہے۔ سو دیکھو محبوب کریم ﷺ جلوہ ذات کبریا ہیں اور قرآن اس تجلی کا آئینہ۔ وہ پیکر نور ہیں اور یہ لباس نور۔ محبوب کریم ﷺ سر وحدت ہیں اور قرآن اس کی تفسیر۔ وہ مظہر حقیقت ہیں اور یہ اس کی تعبیر۔ جان رحمت ﷺ کمال تخلیق ہیں اور قرآن اس کی تبیین۔ وہ روح قدرت ہیں اور یہ اس کی تصویر۔ یوں رحمت دو جہاں ﷺ اور قرآن نور مطلق کی دو شعاعیں ہیں اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بیان کان خلقہ القرآن سے ظاہر ہے کہ دونوں باہم دگر مربوط ہیں۔ چنانچہ محبوب کریم ﷺ کی سیرت قرآن سے چمکتی ہے اور قرآن آپ ﷺ کی سیرت سے کھلتا ہے۔ قرآن کے بغیر سیرت کا مطالعہ ادھورا اور تصور محبوب کریم ﷺ کے بغیر قرآن کی تلاوت شیوہ کفر۔ کون نہیں جانتا کہ جان کائنات ﷺ کے بغیر قرآن اپنی شناخت ہی کھو دیتا ہے۔ قرآن اگر خدا کا پیغام ہے تو مصطفیٰ ﷺ پیغام بر۔ قرآن وحی الٰہی ہے تو محبوب

کریم ﷺ کا سینہ ضبط وحی۔ قرآن لفظ ہے تو محمد ﷺ اس کا معنی۔ قرآن معنی ہے تو محمد ﷺ اس کا مقصد۔ قرآن مقصد ہے تو محمد ﷺ اس کا حاصل۔ قرآن حاصل ہے تو محمد ﷺ اس کا جوہر۔ قرآن اگر قرات ہے تو محمد ﷺ اس کا قاری۔ قرآن اگر شریعت ہے تو محمد ﷺ صاحب شریعت۔ قرآن صحیفہ انقلاب ہے تو محمد ﷺ رہبر انقلاب۔ قرآن ہدایت ہے تو محمد ﷺ سرچشمہ ہدایت۔ قرآن حرف حرف معجزہ ہے تو محمد ﷺ صاحب اعجاز ہی نہیں خود مجسم اعجاز ہیں۔ الغرض حاصل یہ کہ محمد ﷺ سراسر پرتو جمال حق ہیں اور قرآن سراپا تذکار محمد ﷺ۔

سوچا کہ ذرا دیکھئے قرآن میں کیا ہے
دیکھا تو ہر اک لفظ محمد ﷺ کی ثنا ہے

اب آیئے! ذرا اپنے رہوار فکر کو مہمیز لگائیں اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس حقیقت افروز بیان کے جہان معنی کی سیر کریں تاکہ ہمارا وجدان قرآنی معارف کی بلندیوں پر چمکنے والے سیرت محبوب کریم ﷺ کے ستاروں سے روشنی لے کر چراغ ایمان کو جلا بخشے اور آئینہ قلب کو اس قدر اجال دے کہ اس میں شبیہ محبوب کریم ﷺ ہی نہیں عکس جمال ذات اتر آئے۔

سیرت اساس دین ہے قرآن بیان سیرت

اس سے بڑی اچنبھے کی بات کیا ہوگی کہ ایک شخص نبی کا کلمہ پڑھ کر ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی دین میں نبی کی حیثیت کا انکار کردے اور اسے پیغام پہنچانے والے سے زیادہ کوئی مقام نہ دے۔ مگر آپ حیران ہوں گے کہ اسی دھرتی کے سینے پر ایسے منحوس لوگ بھی سانس لیتے ہیں اور ان میں سے بعض تو مفسر قرآن ہونے کا زعم بھی رکھتے ہیں۔ جو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں خدا کی توحید کے ساتھ ملا کر محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اگلے ہی سانس میں یہ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ نبی ﷺ کا کام تو انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچانا تھا اور بس۔ اس لئے ہمارا اب ان کے ساتھ کوئی عملی رشتہ اور تعلق باقی نہیں۔ ان کی زندگی' سیرت اور سنت محض تاریخ کا حصہ ہے۔ رہا دین تو وہ ہمیں خدا کی کتاب قرآن مجید سے حاصل ہوتا ہے۔ قارئین محترم! یہ فکر گذشتہ ادوار میں کئی گمراہ فرقوں نے پھیلانے کی کوشش کی اور دین میں نبی کی حیثیت گھٹانے کی مذموم حسرت اپنے سینے میں لئے کتنے ہی بد نصیب لوگ خود مٹی میں مل گئے اور تاریخ نے ان کے نام بھی اپنے حافظے سے کھرچ دیئے مگر اب پھر کچھ عرصہ سے چند فتنہ پرور افراد اسی فاسد خیال کی جگالی کر رہے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ لوگ کلمہ ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ایک جزو کو دوسرے سے جدا کس طرح کرتے ہیں۔ یا اگر نبوت محبوب کریم ﷺ کو دین میں بے حیثیت سمجھتے ہیں تو پھر توحید کے اقرار کے ساتھ رسالت محمدی ﷺ کی شہادت کس لئے دیتے ہیں؟ شاید ایسا کرنا ان کی مجبوری ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ دین وایمان کے مضبوط قلعے میں داخل نہیں ہوسکتے اور دنیا کا کوئی بھی شخص انہیں مسلمان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ دین میں نبوت

محمدی ﷺ کی کیا حیثیت ہے اس کو سمجھنے کے لئے ہماری دیگر کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ فی الحال آیئے ان کم فہم اور بر خود غلط حضرات سے اتنا پوچھتے ہیں کہ اگر دین صرف اللہ کی کتاب سے ملتا ہے اور اس میں محبوب کریم ﷺ کی کوئی حیثیت نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اللہ نے پہلے انسان کو پہلا نبی تو بنایا مگر اسے کتاب نہیں دی۔ اسی طرح دوسرے تیسرے اور چوتھے کئی پیغمبر مسلسل بے کتاب آتے رہے اور نوع انسانی کے لئے دین لاتے رہے۔ یونہی قرآن گواہ ہے کہ ہر قوم' ہر علاقے اور ہر دور میں نبی آئے حتیٰ کہ ایک اسلامی روایت کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں کل چار اتریں اور ان کے علاوہ چند صحیفے۔ سوال یہ ہے کہ ان چار کتابوں اور چند صحیفوں کے علاوہ باقی ہر پیغمبر کیا بغیر دین کے تھا؟ پہلے کئی پیغمبر اور ان کے بعد ہزاروں انبیاء نے انسانیت کو دین کہاں سے اور کس طرح دیا؟ قرآن اس کا دو ٹوک جواب یہ دیتا ہے کہ بلاشبہ ہر پیغمبر دین لایا اور یہ دین کتاب کے روپ میں نہیں بلکہ سنت کی شکل میں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا واضح اعلان ہے کہ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ یعنی ہم نے کوئی ایک بھی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ اطاعت نبی کی سیرت' سنت اور پسند و ناپسند کی تھی اور اللہ کے ہاں اسی اطاعت پیغمبر کا نام ہمیشہ دین رہا۔ اس سے ایک بات بے غبار ہو کر سامنے آ گئی کہ دین کا اصل دارومدار ہمیشہ نبی کی سیرت' سنت اور پسند و ناپسند پر رہا پھر جب اور جہاں کسی نبی کی سیرت و سنت کو اس کی ظاہری زندگی کے بعد بھی آنے والی نسلوں کے لئے کچھ عرصے تک محفوظ اور باقی رکھنا تھا وہاں وہاں خدا نے نبی کی سیرت و سنت کی حفاظت کے لئے آسمان سے کتاب بھی اتار دی تاکہ بعد میں آنے والوں کو اس کتاب کے ذریعے معلوم ہو سکے کہ نبی کا طرز فکر' طریق عمل اور پسند و ناپسند کا معیار کیا تھا۔ پھر چونکہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے سبھی جانے کے لئے آئے۔ ہر ایک کا وقت مقرر' علاقہ محدود اور دور متعین تھا۔ لہٰذا ان کی سیرت و سنت بھی اسی خاص وقت تک محفوظ رہی اور ان کی کتابیں بھی اس کے بعد لفظی و معنوی تحریف کا شکار ہو کر طاق نسیاں کی زینت بن گئیں۔ مگر اب قیامت تک رحمت کائنات ﷺ کا دور نبوت و رسالت ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کی کتاب بھی حرف حرف محفوظ ہے اور سیرت و سنت بھی نقش نقش تابندہ۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہے کہ جان رحمت ﷺ کی سیرت و سنت ہی دین کا اصل سرچشمہ اور ماخذ و مصدر ہے۔ رہا قرآن تو وہ رہتی دنیا سیرت محمدی ﷺ کے بیان' حفاظت اور اشاعت کی خدائی تدبیر ہے اور یہی چیز اس کے ہر لفظ سے جھلک رہی ہے۔ سنیئے! قرآن کہہ رہا ہے کہ اگر تم محمد ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ ان تطیعوہ تھتدوا بے شک ان کی سیرت تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه ۔ کیونکہ ان کا بولنا اللہ کی وحی ہے۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اور ان کا فیصلہ اللہ کی مرضی ہے۔ وما کان لمؤمن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم وہ ہاں کہہ دیں تو حج فرض ہو جائے۔ لو قلت نعم لوجبت اور نگاہ اٹھائیں تو قبلہ بدل جائے۔ قد نری تقلب وجھك فی السمآء فلنولینك قبلة ترضاھا وہ پکاریں تو نماز چھوڑ کر پہنچنا لازم۔ استجیبوا لله والرسول اذا دعاکم اور حکم دیں تو تعمیل بہر صورت دین ہے۔ اذا امرتکم بشئی فاتوا منه ما استطعتم الغرض حلال و حرام کا جو فیصلہ ان کے سپرد ہے۔ یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث لہذا جو وہ تمہیں دے دیں اسے مضبوطی سے تھام لو اور جس سے روک دیں اس سے باز رہو۔ ما اتاکم الرسول فخذوه ومانھاکم عنه فانتھوا یہی دین ہے۔

میں تو بس دین کا مفہوم یہی سمجھتا ہوں
اپنے ہر کام میں آقا کی رضا کو دیکھو

راز یوں کھلا کہ دین ہمیں محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ سے ملتا ہے۔ ان کی شخصیت منبع ہدایت' ان کی سیرت سرچشمہ تہذیب' ان کی سنت ماخذ شریعت اور ان کی خوشنودی سرمایہ نجات ہو۔ رہا قرآن تو وہ سیرت محبوب کریم ﷺ کا الوہی بیان ہے۔ اس کی سطر سطر میں محبوب کریم ﷺ کی شخصیت کے دھنک رنگ جگمگا رہے ہیں اور لفظ لفظ سے آقا ﷺ کی ادائیں جھلک رہی ہیں۔ محمد ﷺ ہمارے لئے دین لے کر آئے ہیں اور قرآن ہمیں سیرت محبوب ﷺ کے جلوؤں سے فیضیاب کرنے' حقوق رسالت کا شعور دینے اور احترام محبوب کریم ﷺ کے آداب سکھانے کے لئے آیا ہے۔ ویسے تو یہ پورا مضمون اسی اجمال کی تفصیل ہے لیکن یہاں اس نقطے کی وضاحت کے لئے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ سورۃ مائدہ قرآن حکیم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی طویل اور بڑی سورۃ ہے۔ اس کا آغاز ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد ہوا اور حجتہ الوداع کے موقع پر شہرہ آفاق آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے اس کی تکمیل ہوئی۔ اس سورۃ کی چھٹی آیت میں اہل ایمان کو نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا گیا۔ گویا نماز کے لئے وضو کا حکم اعلان نبوت کے کم از کم ۱۹ سال بعد نازل ہوا۔ جبکہ نماز مشہور ترین قول کے مطابق ہجرت سے ڈیڑھ دو برس پیشتر معراج کی رات فرض ہوئی اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان آغاز اسلام ہی سے دار ارقم میں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد صحن کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں وضو کا حکم آنے سے پہلے کیا مالک کائنات ﷺ اور اہل ایمان بغیر وضو کے نماز پڑھتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ یقینا مسلمان شروع ہی سے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کے عادی تھے اور یہ حکم انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ملا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے قرآن میں تو وضو کا حکم ۱۹ سال بعد سورۃ مائدہ میں آیا۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب وضو جیسا انتہائی اہم دینی حکم قرآن سے بہت پہلے سنت نبوی ﷺ کے ذریعے دنیا کو ملا اور ایک

عرصہ بعد قرآن میں وہی حکم الٰہی کی صورت میں نازل ہوا تو یہ محض اتفاق نہیں بلکہ رب کائنات ﷺ کی خاص الخاص مشیت کا اظہار ہے۔ میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ محبوب کریم ﷺ کے ذریعے اہل ایمان کو وضو کا حکم عطا کر کے ۱۹ سال بعد اللہ کریم نے قرآن میں دوبارہ اس لئے نازل کیا تا کہ وہ ساری دنیا پر اس حقیقت کو ہمیشہ کے لئے بے نقاب کر دے کہ قرآن تمہارے پاس صرف دین لے کر نہیں آیا بلکہ رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کو محفوظ رکھنے اور اسے بعد والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے آیا ہے۔

سورۃ مائدہ میں وضو کا حکم ہمیں کھول کھول کر بتا رہا ہے کہ قرآن کی ساری آیات سیرت مصطفیٰ ﷺ کے رنگا رنگ جلوؤں کا آئینہ اور سنت نبوی ﷺ کے نوع بہ نوع احکام کا بیان ہیں۔ دارالعلوم دیو بند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب کے خوبصورت الفاظ میں " قرآن کی ذات وصفات کی آیتیں آپ ﷺ کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ ﷺ کے اعمال۔ تکوین کی آیتیں آپ ﷺ کا استدلال ہیں اور تشریع کی آیتیں آپ ﷺ کے حال۔ قصص وامثال کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت ہیں اور تذکیر کی آیتیں آپ ﷺ کی موعظت۔ خدمت خلق کی آیتیں آپ ﷺ کی عبدیت ہیں اور کبریا حق کی آیتیں آپ ﷺ کی نیابت۔ اخلاق کی آیتیں آپ کا حسن معاشرت ہیں اور معاملات کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معیشت۔ توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی خلوت ہیں اور تربیت خلق کی آیتیں آپ ﷺ کی جلوت۔ قہر وغلبہ کی آیتیں آپ ﷺ کا جلال ہیں اور یسر ورحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا جمال۔ تجلیات حق کی آیتیں آپ ﷺ کا مشاہدہ ہیں اور ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کا مراقبہ۔ ترک دنیا کی آیتیں آپ ﷺ کا مجاہدہ ہیں اور احوال محشر کی آیتیں آپ ﷺ کا محاسبہ۔ نفی غیر کی آیتیں آپ ﷺ کی فنائیت ہیں اور اثبات حق کی آیتیں آپ ﷺ کی بقائیت۔ انا اور انت کی آیتیں آپ ﷺ کا شہود ہیں اور ھو کی آیتیں آپ ﷺ کی غیبت۔ نعیم جنت کی آیتیں آپ ﷺ کا شوق ہیں اور جحیم نار کی آیتیں آپ ﷺ کا ہم وغم۔ رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کی رجاء ہیں اور عذاب کی آیتیں آپ ﷺ کا خوف۔ انعام کی آیتیں آپ ﷺ کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ ﷺ کا حزن۔ حدود کی آیتیں آپ ﷺ کا بغض فی اللہ ہیں اور امن وترحم کی آیتیں آپ ﷺ کی حب فی اللہ ہیں۔ نزول وحی کی آیتیں آپ ﷺ کا عروج ہیں اور تعلیم و تبلیغ کی آیتیں آپ ﷺ کا نزول۔ عقیدہ اوامر کی آیتیں آپ ﷺ کی خلافت ہیں اور خطاب کی آیتیں آپ ﷺ کی عبادت وغیرہ وغیرہ حاصل یہ ہے کہ

میری نگاہ میں قرآن کا ہے یہ مفہوم
ہے لفظ لفظ جمال حضور ﷺ کی تفسیر

قرآن کے وہ مخاطب اور کائنات ان کی

یوں تو سبھی آسمانی کتابیں توریت، زبور، انجیل اور صحیفے اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ لیکن قرآن جیسا کوئی نہیں۔ کہنے کو قرآن بھی وحی الٰہی ہے۔ لیکن محدود وحی نہیں۔ یہ تو اللہ کی تجلی ذاتی اور ازلی صفت کلام ہے۔ جو

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں "تمام کمالات ذاتی اور شیونی کا جامع ہے اور دائرہ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلمت اس کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ جس طرح پھول کی پتیوں میں اس کی خوشبو چھپی ہوتی ہے اسی طرح اللہ کریم اپنے کلام کے اندر پنہاں ہے۔ یوں قرآن خدا کی ذات و صفات کا آئینہ بن گیا ہے۔ اللہ نور ہے تو قرآن بھی نور۔ وہ بے مثل ہے تو یہ بھی بے مثل۔ وہ انسانی علم و ادارک کی حدود سے ماوراء ہے تو یہ بھی۔ اللہ کی ایک تجلی سے کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا اور قرآن کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر اتارتے تو وہ اس کی ہیبت وجلال سے پاش پاش ہو جاتا۔ لـــو انزلنـا هـذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله۔ جبھی تو زمین' آسمان اور پہاڑوں نے قرآن کی ربانی امانت کا بارگراں اٹھانے سے عاجزی کا اظہار کر دیا اور اللہ کریم نے اس کے لئے انسان کامل کو چنا۔ یہ انسان کامل کون ہے؟ شجر آدم کا گل سرسبد۔ انا سيد ولد ادم اور تخلیق کائنات کا حاصل۔ لو لاك لما خلقت الارض والسمآء۔ جس کے حسن سے ہر ذرہ عالم درخشاں ہے اور جس کے وجود پر خود خالق دوجہاں کو ناز۔ جس کے نام سے دنیا کی ہر بات چلی اور جس کے دم سے زندگی کو تکمیل ملی۔ جس کی رحمتوں کا احاطہ ازل سے ابد تک ہے اور نسبتوں کا فیضان افق تا افق۔ جو عرش بریں پر دیدار الٰہی سے فیض یاب ہوا اور فرش زمین پر ہدایت کا خزینہ بن کر آیا۔ جس کی سیرت رعنائی کردار کا جوہر ہے اور شریعت معراج زندگی کی حسین ترجمان۔ جس کی نگاہ ناز سے عقل کو شعور اور عشق کو حضور ملا۔ جس کے انوار سے مطلع صبح ازل روشن ہے اور چہرہ شام ابد تاباں۔ جو اپنے جلال میں سطوت معبود کا پرتو ہے اور عابد ایسا کہ فرشتوں کو پسینہ آئے۔ جس کی ہستی باعث تخلیق عالم ہے اور جس کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر اتنا کہ اللہ قادر و کریم نے اسے نور مطلق سے وجود بخشا اور اپنے ذات و صفات کا آئینہ بنا دیا (ﷺ)۔

اس ایک ذات میں سب دلنوازیاں بھر دیں
اللہ نے آپ میں اپنی نشانیاں بھر دیں

اور ظاہر ہے کہ قرآن جو اللہ کا کلام ذاتی ہے اسے سنبھالنے کے لئے ایسا ہی وجود چاہئے تھا جو ذات و صفات الٰہی کا مظہر اتم ہو۔ یہ حرف حرف نور ذات اسی کے دل پر اتر سکتا تھا جو سرتا بہ قدم نور ہو۔ یہ قطرہ قطرہ ابر رحمت کسی پیکر رحمت ہی کے سینے پر برسنا تھا۔ اس معجز نما کلام کو کوئی معجز نما شخصیت ہی اٹھا سکتی تھی۔ یہ بحر ناپیدا کنار کسی بیکراں ہستی کے ظرف میں ہی سما سکتا تھا۔ یہ بے عیب کتاب کسی بے عیب ذات ہی کو ملنا تھی۔ مخلوق کے نام خدا کا آخری پیغام وہی لا سکتا تھا جو بر رخ کبریٰ کی شان رکھتا ہو اور

اے خوشا نکلا محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ مقام
کوئی انسان و خدا کے درمیاں درکار تھا

کوئی سوچ سکتا تھا اور سوچنے والوں نے سوچا بھی کہ یہ قرآن کسی اور کے سینے پر کیوں نہ اترا۔ کہ یا

طائف کے کسی رئیس کو مل جاتا۔ لیکن سنیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسد خیال پر کیسی ضرب کاری لگائی۔ وقالو لو لا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم اھم قسمون رحمت ربك۔ کیا تیرے رب کی رحمتیں وہ بانٹتے ہیں' نہیں خدا تو وہ ہے جس نے قرآن اپنے خاص الخاص بندے کے سینے پر اتارا تاکہ اسے آفاق کی شاہی بخشے اور عالمین کا ہادی بنا دے۔ تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا اور ایک قرآن ہی کیا اس نے تو اپنی رحمتوں کے سب خزانے اور زمین و آسمان کی ساری دولت اپنے محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دی ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون منصب رسالت کے لئے زیبا ہے اور کس کا سینہ کلام حق کا خزینہ بن سکتا ہے۔ لوگ تو جبرائیل کے دشمن بھی بن گئے۔ اس نے قرآن اللہ کے حکم سے محبوب خدا کے سینے پر اتارا ہے۔ فانہ نزلہ علی قلبك باذن اللہ کیونکہ ساری مخلوق میں تنہا یہی ایک سینہ نزول قرآن کے شایان تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ اللہ نے اسے بنایا ہی اس لئے تھا۔ الرحمن علم القران خلق الانسان علمہ البیان۔ علم قرآن کے لئے ایک خاص دل اور یگانہ وجود درکار تھا اور اللہ نے پیکر مصطفیٰ ﷺ کو اسی سانچے میں ڈھال دیا۔ بہترین صلاحیت اور کمال مطلق سے آراستہ کیا۔ زبان و بیان کی انمول قدرتیں عطا کیں۔ حواس کی ماورائی قوتیں بخشیں۔ روح کی توانائیں عرش و فرش پر حاوی کر دیں اور فیضان الوہیت کے سارے دروازے کھول دیئے۔ وکان فضل اللہ علیك عظیما۔

ہر فضیلت' ہر تجلی' ہر کمال
ذات میں ان کی بہم سر تا قدم

قرآن نوع انسانی کے نام اللہ کا آخری پیغام ہے اور محمد ﷺ کا سینہ اس پیغام کا خزینہ۔ قرآن محض نزول وحی کا نام نہیں' خدا سے ہم کلامی کا شرف ہے اور محمد ﷺ خود تو براہ راست اس شرف سے بہرہ ور ہیں اور مخلوق کی خالق سے ہمکلامی کا واسطہ بھی۔ یہ آپ ﷺ ہی کی شان ہے کہ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل۔ اس برزخ کبریٰ کے بغیر مخلوق خدا تک پہنچ سکتی ہے نہ اس سے کچھ پا سکتی ہے۔ خدا پر ایمان بھی ان کی نسبت کے بغیر معتبر نہیں' تو ہمکلامی کا شرف کیونکر ممکن ہے۔ خود رب کا فیصلہ ہے۔ ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن وراء حجاب کہ اللہ کسی بشر سے وحی یا رسالت کی اوٹ کے بغیر کلام نہیں کرتا اور نوع بشر سے آخری بار ہمکلام ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اپنا واسطہ اور ترجمان بنا لیا ہے اور ساری کائنات کو ان کی زبان سے کہلوا دیا ہے۔ انما انا بشر مثلکم یوحی الی کہ "میں بظاہر دیکھنے میں تم سا بشر ہوں مگر حقیقت میں نہیں کیونکہ مجھ پر تو وحی آتی ہے"۔ میں تو کلام الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوں۔ اس آیت اور شان بشریت پر بات تو پھر کبھی ہو گی۔ فی الحال صرف اتنا بتانا ہے کہ یہاں منشائے الٰہی محبوب کریم ﷺ کی بشریت نمایاں کرنا نہیں بلکہ امتیاز وحی کو اجاگر کرنا ہے۔

آیت کا محور اور نقطہ ارتکاز بشر مثلکم کے بجائے یوحی الی ہے اور اس حقیقت کو سمجھنے میں

ٹھوکر کھا کے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے ہیں۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان کہلانے والے اس آیت سے نبی کو خود جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنا دل ودماغ کھپا رہے ہیں حالانکہ اسی آیت میں محبوب کریم ﷺ کا رب انہیں سب سے منفرد اور یکتا' سب سے بلند اور ارفع' سب سے جدا اور یگانہ بتا رہا ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہا ہے کہ تم سب بھی بشر ہو لیکن کوئی محبوب ﷺ جیسا نہیں۔ اس لئے میں تم سے براہ راست ہم کلام نہیں بلکہ محبوب ﷺ کے واسطے سے خطاب کرتا ہوں۔ میں تمہارے نام اپنا پیغام' اپنا کلام محبوب ﷺ کے سینے پر اتارتا اور ان کی زبان سے تمہیں سنواتا ہوں۔ وہ تم سے جو کچھ کہیں' غضب میں بولیں یا مزاح میں' سب میری طرف سے ہے۔ ان کے ہونٹوں کی جنبش اور زبان کی لرزش میری وحی ہے۔ ان کے منہ سے نکلنے والی ہر آواز میرا کلام ہے۔ ان کی ہر صدا میرا بیان اور ہر پکار میرا پیغام ہے۔ وما ینطق عن الھوای ان ھو الا وحی یوحی۔

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد ﷺ است
آرے کلام حق بزبان محمد ﷺ است

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عشق محبوب کریم ﷺ

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جان رحمت ﷺ نے فرمایا۔ لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب میں اسے اس کے ماں باپ' آل واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ محبت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو سرور تام بخشتی ہے اور وہ اس سے بہرہ یاب ہو کر ہر لذت کو بھول جاتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جس دل میں محبت سما جائے وہ محبوب کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور کون ومکاں میں اسی کو جلوہ آرا اور محو نظارہ دیکھتا ہے۔ ہر جگہ اسی کے حسن کا مشاہدہ کرتا ہے اور تصورات میں اس کے حسین خیالوں اور جلوؤں میں کھویا رہتا ہے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

محبت کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ محبوب کی دلنواز ادائیں اور باتیں' عاشق کے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور اسے کبھی نہیں بھولتیں اسے یاد رہتا ہے کہ محبوب نے فلاں موقعہ پر کیا اور کس انداز سے کہا تھا۔ چنانچہ وہ اس فرمودہ محبوب کو کیفیات سمیت ہمیشہ یاد رکھتا ہے اور یہی حسین یادیں اس کے لئے متاع حیات ہوتی ہیں' جنہیں وہ زندگی کا حاصل اور زیست کا سرمایہ سمجھتا ہے اور سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ اس لئے انہیں بھولنے

یا ان سے غافل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جان شیریں' انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے لیکن ایک عاشق کی ذات ایسی ہے جو اس قیمتی متاع کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور خوشی سے محبوب پر نچھاور کر دیتا ہے بلکہ اسے سعادت و خوش بختی سمجھتا ہے۔ محبوب کریم ﷺ کو اللہ کریم نے ایسے ہی عشق پیشہ وفا شعار اور قدردان ساتھی عطا فرما دیئے تھے جو آپ ﷺ کے صرف پیروکار ہی نہیں بلکہ عاشق صادق بھی تھے وہ عشق میں اس منزل تک پہنچ چکے تھے جہاں انسان محبوب ہی کے تصور میں مگن رہتا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں سوچتا' موقعہ آ جائے تو جان بھی نچھاور کر دیتا ہے اور اس پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ چند مثالیں یہ ہیں:۔

☆ رحمت دو جہاں ﷺ کا عاشق اور مسلمان ہونا اہل مکہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا' انہوں نے اس سنگین اور ناقابل معافی جرم میں حضرت زید بن دثنہ کو گرفتار کر لیا اور قرب و جوار میں اعلان کر دیا کہ فلاں دن اس کے پرخچے اڑائے جائیں گے تماشا دیکھنے کے لئے سب اکٹھے ہو جائیں۔ جب مقررہ وقت پر انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا تو ابوسفیان آگے بڑھا اور حضرت زید کو مخاطب کر کے کہا' اب تو تمہاری خواہش ہو گی کہ تمہاری جگہ تمہارے نبی (ﷺ) ہوتے اور تم چھوٹ جاتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سنا تو تڑپ اٹھے اور جذباتی لہجے میں بولے۔ "تم نے بہت غلط سوچا میری تو یہ خواہش ہے کہ میری ہزار جانیں ہوتیں اور میں ایک ایک کر کے ان پر قربان کر دیتا اور انہیں کانٹا بھی نہ چبھنے دیتا" ابوسفیان یہ جواب سن کر سناٹے میں آ گیا اور بے ساختہ کہا ما رایت احد یحب احد کما تحب اصحاب محمد "میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے اس طرح ٹوٹ کر پیار کرتے ہوں جس طرح محمد ﷺ کے ساتھی ان کے ساتھ والہانہ محبت کرتے ہیں"۔

☆ میدان احد میں جنگی حکمت عملی اور فوجی تدبیر کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی' جم کر لڑنے والے سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ محبوب کریم ﷺ نے انہیں ایک جگہ جمع ہونے کے لئے پکارا اور یہ حیات آفریں آواز سن کر اپنے مرکز محبت کی طرف اس طرح لپکے جیسے بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے۔ اس کشمکش اور ہنگامہ آرائی میں مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنی پوری فوجی قوت مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے میدان میں جھونک دی اور پکا تہیہ کر لیا کہ وہ اس حملے کو فیصلہ کن بنا کر رہے گا۔

مجاہدین بھی سنبھل گئے اور منتشر قوت مجتمع کر کے دشمن پر جھپٹے۔ اس کشمکش میں دونوں فریقوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ جانی نقصان کی بھی حد نہ رہی۔ حضرت زید بن سکن رضی اللہ عنہ اس دوران سخت زخمی ہو گئے۔ سارا جسم چھلنی ہو گیا۔ بچنے کی امید نہ رہی۔ راحت جاں ﷺ نے جان نثار غلام کی یہ کیفیت دیکھی تو خود چل کر اس کے قریب گئے انہوں نے محبوب ﷺ کو قریب پا کر اپنا زخمی چہرہ اٹھایا اور اس پر مسرت کی شفق پھوٹ پڑی۔ تھوڑی دیر کے لئے سب غم بھول گئے۔ درد کا احساس مٹ گیا

اپنے زخمی جسم کو گھسیٹ کر محبوب ﷺ کے قدموں پر ڈالا اور اسی عالم میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

بہ چہ ناز رفتہ باشد' زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن' بسرش رسیدہ باشی

"ایک نیازمند شخص دنیا سے کس فخر و ناز کے ساتھ رخصت ہوگا کہ وصال کے وقت جس کے سرہانے آپ ﷺ تشریف لائے ہوں گے"۔

☆ جنگ احد میں دشمنوں نے یلغار کی اور محبوب کریم ﷺ کی طرف بڑھے اور تیروں کی باڑھ ماری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس مشکل میں آپ ﷺ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔ آنے والے تیر اپنے ہاتھ پر روکنے لگے۔ اس طرح ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا۔

☆ جنگ احد میں یہ افواہ پھیل گئی کہ محبوب کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ کچھ لوگ تو بالکل ہتھیار پھینک کر بیٹھ گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ان کے قریب سے گذرے تو اس پریشانی اور مایوسی کی وجہ پوچھی؟ انہوں نے جواب دیا سرکار (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بولے پھر ہتھیار پھینک کر بیٹھنے اور زندہ رہنے کا کیا مزہ؟ یہ کہہ کر جوش و خروش کے عالم میں تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی بھیڑ میں گھس گئے اور انہیں تہہ تیغ کرتے ہوئے خود بھی شہید ہو گئے۔ ان کے جسم کا کوئی حصہ سلامت نہ تھا۔ ان کی بہن نے پوروں سے ان کی لاش شناخت کی۔ ان کے جسم پر اسی بچاسی کے قریب زخم پائے گئے۔ یہ جاں نثاروں کے چند واقعات تھے۔ قدر دانوں کی کیا کیفیات تھیں' اس کی ایک دو جھلکیاں یہ ہیں:۔

☆ ابو سفیان مدینہ آیا تو کسی نے اسے منہ نہ لگایا۔ اس نے سوچا اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلتے ہیں وہ ضرور خیال کرے گی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ وہ کاشانہ نبوی ﷺ میں رہتی تھیں۔ جب ان کا والد وہاں پہنچا تو محبوب کبریاء ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیزی سے آگے بڑھ کر وہ بستر تہہ کر دیا اور فرمایا۔ میں ایک مشرک کو اپنے محبوب ﷺ کے پاک بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابو سفیان بیٹی کی طرف سے اس انوکھے استقبال پر حیران رہ گیا۔ یہ لوگ اپنے نبی ﷺ کا دل سے احترام کرتے ہیں اور جنون کی حد تک ان کے چاہنے والے ہیں۔

☆ میدان تبوک میں "ابن ابی" منافق نے بڑی شیخی بگھاری اور کہا' ہم عزت والے ہیں مدینہ پہنچ کر ہم ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے جو عزت والے نہیں ہیں اور نو وارد ہیں۔ ابن ابی کا بیٹا سچا پکا مسلمان اور جان کائنات ﷺ کا عاشق تھا۔ جب اس نے سنا کہ اس کے منافق اور بے ادب باپ نے نازیبا کلمات منہ سے نکالے ہیں اور محبوب کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے تو وہ تلوار لے کر

باپ کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہا۔ اپنی زبان سے اعتراف کر کہ تو خود ذلیل ہے اور نبی (ﷺ) عزت والے ہیں' اگر تو نے زبان سے یہ اقرار نہ کیا تو ابھی تجھے مار دوں گا۔ اس نے جان کے خوف سے یہ الفاظ دہرائے تو اس کی جان بچی۔

☆ محبوب کریم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا۔ اذا انصرف من العصر دخل علی نسائه "جب نماز عصر سے فراغت ہوتی تو آپ ﷺ باری باری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے"۔ یہ وقت ان کے لئے عید کی مسرتوں سے کم نہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ بے قراری کے ساتھ اس وقت کے انتظار میں رہتی تھیں۔ جب آپ ﷺ رونق افروز ہوتے تو بڑھ کر استقبال فرماتیں اور دیدہ دل فرش راہ کرتیں۔ قرب و حضور اور فرحت و انبساط کی ان نورانی گھڑیوں کی قیمت ان کے نزدیک ہفت اقلیم کے خزانوں سے بھی زیادہ تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سعادت افروز گھڑیوں کو طول دینے کے لئے کہیں سے شہد حاصل کر لیا۔ جب جان رحمت ﷺ تشریف لائے تو وہ پیش کیا۔ آپ ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ باتیں کرتے اور شہد تناول فرماتے رہے۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ ﷺ کو دیر لگ گئی دیگر خواتین نے اس جدائی کو شدت سے محسوس کیا اور درد و فراق کی کسک سے دل تھام لیا مگر پہلی بار تھی اس لئے خاموش رہیں۔ یہ طریقہ بہت کارگر تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسے دوسرے روز بھی آزمایا' پھر تیسرے روز بھی۔ باقی خواتین کے لئے یہ نئی صورت ناقابل برداشت ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صورت حال سے نپٹنے کے لئے اپنی ہم خیال خواتین کو اکٹھا کیا۔ حضرت حفصہ' حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن حاضر ہو گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب کو سمجھایا۔ جب رحمت دو جہاں ﷺ زینت رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر تم میں سے کسی کے پاس آئیں تو سب یہ کہیں کہ سرکار (ﷺ) کے دہن مبارک سے "مغافیر" کی مہک آ رہی ہے۔ سرزمین عرب میں ایک درخت ہوتا ہے' جسے عرفط کہتے ہیں۔ اس کی گوند شیریں ہوتی ہے جسے شوق سے کھایا جاتا ہے مگر اس کی بو بہت ناگوار ہوتی ہے' جسے نفیس مزاج لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ شہد کی مکھی اگر اس کا رس چوس کر اپنے چھتے میں لے جائے اور شہد تیار کرے تو اس میں بھی وہ ناگوار بو سرایت کر جاتی ہے اور ایسا شہد کھایا جائے تو منہ سے بو آتی ہے۔

اس تدبیر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ جب حضور ﷺ سے باری باری متفقہ طور پر یہ کہا جائے گا کہ دہن مبارک سے مغافیر کی مہک آتی ہے یعنی جو شہد آپ ﷺ نے تناول فرمایا ہے اسے مکھیوں نے اسی بودار درخت کے رس سے تیار کیا ہے' تو آپ ﷺ نفاست مزاج ہونے کے باعث دوبارہ شہد نہیں کھائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھیں گے اور ہمیں برابر وقت میسر آ جائے گا۔ توقع کے مطابق ان کی یہ تدبیر کامیاب رہی۔ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی بات بار بار کہی تو آپ ﷺ ان خواتین کا مدعا سمجھ گئے اور ان کی دلجوئی کے لئے از راہ شفقت فرمایا۔تم جو ہمارے قرب کے لئے اتنے جتن کر رہی ہو تو ہم بھی تمہارے ان جذبات کی قدر کرتے ہیں اور قسم اٹھاتے ہیں کہ آئندہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس شہد نہیں کھائیں گے۔

رحمت دو جہاں ﷺ ان خواتین ہی کے تو نہیں' اللہ کریم کے بھی محبوب (ﷺ) تھے۔اس کی محبت نے گوارا نہ فرمایا کہ محبوب (ﷺ) بیویوں کی دلجوئی کی خاطر اپنی پسندیدہ شے سے اجتناب برتیں اس لئے پیار بھرے انداز میں پہلے آپ ﷺ کو شرف ندا سے نوازا کہ اے پیارے نبی (ﷺ)! پھر لطف و عنایت سے بھرپور انداز میں سوال فرمایا۔بھلا بیویوں کی خوشنودی کے لئے شہد نہ کھانے کی پابندی عائد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔آپ ﷺ محبوب ہیں' محبوب کی دلجوئی کی جاتی ہے' اسے کیا پڑی ہے کہ دوسروں کی دلجوئی کرے وہ تو پہلے ہی کشتہ عشق ہوتے ہیں۔اگر رحمت دو جہاں ﷺ ازواج پاک کی اس طرح دلجوئی نہ فرماتے تو بھی کوئی بات نہیں تھی۔وہ خواتین اسی طرح گیسوئے عنبریں کی اسیر اور عشق و محبت کا دم بھرتی رہتیں' مگر آپ ﷺ نے از راہ عنایت ان کے جذبات کا احترام کر کے بیویوں کے پیار بھرے جذبات کا احترام کرنے کی عملی تعلیم دی۔چنانچہ سیرت عظمیٰ کی یہی وہ دلنواز اصول اور فطری تعلیم ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور وہ لاہدی قدروں کی حامل اور لازوال ہے جس کا عملی مظاہرہ دلوں پر دیرپا اثرات مرتب کرتا ہے اور محبت فاتح عالم بن کر ابھرتا ہے (بخاری ۲:۷۹۳-۱۰۳)۔ جان رحمت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ نسبت اور پیار کی وجہ سے آپ ﷺ کی ہر چیز کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیار ہو گیا تھا اور وہ انہیں بابرکت تصور کرتے تھے۔اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کمبل مبارک محفوظ تھا جس میں حضور ﷺ کا وصال ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا آنے والوں کو اس کی زیارت کرایا کرتی تھیں۔

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک شیشی میں آپ ﷺ کے بال مبارک محفوظ تھے۔بیمار لوگ برتن میں پانی لے کر آجاتے تو آپ ﷺ اس میں وہ شیشی ڈبو دیتی تھیں۔بالوں کی برکت سے بیماروں کو صحت حاصل ہو جاتی تھی۔

☆ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ ایک خاتون کے گھر تشریف لے گئے۔وہاں ایک مشکیزہ پانی سے بھرا لٹکا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے مشکیزے کا منہ پکڑ کر اس سے پانی نوش فرمایا۔اس خاتون نے بطور تبرک مشکیزے کا وہ منہ ہی کاٹ کر رکھ لیا۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس محبوب کریم ﷺ کے نعلین پاک تھے جن کی وہ دل و جان سے تعظیم کرتے تھے۔

☆ مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالتمآب ﷺ کبھی کبھی

ہمارے ہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن میری والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا گھر سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور قیلولہ فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔ انہیں اطلاع ملی کہ آپ ﷺ کے ہاں تو محبوب کریم ﷺ قیلولہ فرما رہے ہیں وہ جلدی سے گھر لوٹیں تو دیکھا آپ ﷺ آرام فرما ہیں اور آپ ﷺ کے جسم اطہر سے پسینے کے قطرے بستر پر گر رہے ہیں۔ میری والدہ نے ایک شیشی لے کر اس میں آپ ﷺ کے مبارک پسینے کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا ''تو یہ کیا کر رہی ہے؟'' انہوں نے عرض کی ھذا عرقك نجعله فی طیبنا وھو من اطیب الطیب ''جان رحمت ﷺ! یہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک ہے' ہم اسے اپنی خوشبو میں ملائیں گے یہ سب سے زیادہ خوشبودار ہے''۔ دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نرجو برکته لصبیاننا ''ہم امید رکھتے ہیں کہ اس سے ہمارے بچوں کو برکت نصیب ہوگی'' (صحیح مسلم ۲: ۲۵۷)۔

☆ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس رحمت دو جہاں ﷺ کی تلوار' آپ ﷺ کا لکڑی کا پیالہ' عمامہ شریف' لحاف اور استعمال میں آنے والی دوسری چیزیں باقاعدہ محفوظ تھیں اور وہ انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

یہ وہ اہل وفا' پیکر خلوص' نیاز مند' عشق میں ڈوبے ہوئے اور محبت نبی ﷺ میں خود کو بھولے ہوئے لوگ تھے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا' مال و متاع' دین و ایمان اور زندگی کا حاصل یہی اخلاص و پیار تھا۔ اسی کی خاطر انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا تھا اور باقی جو بچا تھا اسے قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

اللہ قادر و کریم ہمیں صحابہ کرام جیسی محبت عطا فرمائے۔

امین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ و یٰسین ﷺ

امیدوار شفاعت محبوب کریم ﷺ

حافظ محمد زمان چشتی سیالوی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یوں عشق محبوب ﷺ مرا دم ساز ہوا ہے
لگتا ہے کہ اب عمر کا آغاز ہوا ہے

چیف آرگنائزر بزم عشاق

حضرت علامہ حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی کی عالمانہ، عارفانہ، عاشقانہ چند تحریریں

☆	وسیلہ محبوب ﷺ	☆	ادب و تعظیم محبوب ﷺ
☆	گریہ محبوب ﷺ	☆	نور الہدیٰ ﷺ
☆	عشق خیر الوریٰ ﷺ	☆	عجب چیز ہے لذت آشنائی
☆	اطاعت محبوب ﷺ	☆	شمس الضحیٰ ﷺ
☆	شان غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ	☆	صاحب الجود والکرم ﷺ
☆	راحت دو جہاں ﷺ	☆	اسلام میں دل جوئی کا مقام
☆	لفظ ولی کا معنی و مفہوم	☆	اسلام میں دل شکنی جائز نہیں
☆	عقیدت کے پھول	☆	کیا وسیلہ سے مانگنا جائز ہے
☆	آئینہ جمال کبریا ﷺ	☆	وسیلتنا فی الدارین ﷺ
☆	بنا کے مصور نے توڑا قلم	☆	جب بھی مانگو وسیلے سے مانگو
☆	محبت اور علامات محبت	☆	کون کہتا ہے وسیلہ سے مانگنا جائز نہیں
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد	☆	وبالو الذین احسانا
☆	عشق است امام من	☆	آنچہ خوباں ہمہ دارند
☆	رحمت دو جہاں ﷺ	☆	اہل ایمان سلام کہتے ہیں؟
☆	پیکر حسن و جمال ﷺ	☆	اسمائے محبوب ﷺ

☆	فضائل رمضان وقرآن مجید	☆	انما المؤمنون اخوه
☆	روزہ کے طبی فوائد	☆	خیر کم من تعلم القرآن وعلمه
☆	فضیلت علم اور صاحب علم	☆	محبت الٰہی کے ثمرات
☆	قرآن مجید ایک نعت مسلسل ہے	☆	نور بشر کی وضاحت
☆	ہر گل، ہر شجر میں محمد ﷺ کا نور	☆	میرے مرشد لجپال
☆	عظمت مصطفیٰ ﷺ	☆	خطبات زماں (1 تا 12)
☆	امتی تیری قسمت پہ لاکھوں سلام	☆	مقالات زماں (1 تا 10)
☆	حقوق مصطفیٰ ﷺ	☆	مقالات عشق رسول ﷺ
☆	ورفعنالك ذكرك	☆	مقالات سیرت محبوب ﷺ
☆	سلطان دو جہاں ﷺ	☆	مقالات صورت محبوب ﷺ
☆	نسبت محبوب ﷺ	☆	محبت کی لازوال داستاں
☆	جان ایماں ﷺ	☆	مساوات محبوب ﷺ
☆	روح ایماں ﷺ	☆	شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
☆	مسلمانوں کے حقوق		تم سے کیا محبت ہوگئی
☆	افضل الخلق ﷺ		جیسے میرے محبوب ہیں ایسا نہیں کوئی
☆	احسن الخلق ﷺ	☆	کھچتی ہے کھال کٹتی ہے گردن
☆	اول الخلق ﷺ		عشق ہے تماشہ نہیں ہے
☆	پیکر نور ﷺ	☆	صبر حسین بھی ہے عشق
☆	تذکرہ حسن محبوب ﷺ		صدق خلیل بھی ہے عشق
☆	اسلام میں دوستی کا تصور	☆	دن تو تیرے ہی تصور میں گزر جاتا ہے
☆	علم کی فضیلت واہمیت قرآن و	☆	عارفانہ تقریریں

	حدیث کی روشنی میں	☆	پیام محبت
☆	اخلاق سے کام لوگر دل جیتنے ہیں	☆	وہ مصور کیسا ہوگا؟
☆	نظام مصطفیٰ ﷺ ہی میں امن و	☆	اہل دل
	سکوں ہے	☆	صحیفہ عشق
☆	جنت کے مالک	☆	عقل و عشق
☆	جہنم کا ایندھن	☆	عشق اور اہل عشق
☆	قلب سلیم	☆	ذوق زماں
☆	آداب محبت	☆	خیال زماں
☆	اسلاف کا جذبہ ایثار	☆	باب عشق
☆	اسلاف کا شوق علم	☆	داستان عشق
☆	اسلاف کا اخلاق	☆	شمع اور پروانے
☆	اسلاف کا عشق	☆	فضائل و مسائل نماز
☆	حقیقت عظمت	☆	نماز کے طبی فوائد
☆	حقیقت عشق (۱ تا ۴)	☆	نماز کے روحانی فوائد
☆	حقیقت انساں	☆	فضائل قرآن مجید
☆	عشق کی باتیں	☆	سوز محبت
☆	دیوان عشق	☆	اعزاز محبت
☆	بخشش کے بہانے	☆	حقیقی محبت
☆	عاشقانہ تقریریں	☆	حلاوت ایمان
☆	عالمانہ تقریریں	☆	حقیقت ایمان
☆	درس محبت	☆	دعوت فکر

☆	بیان عشق ومحبت	☆	جنت اور اہل جنت
☆	مدارج عشق ومحبت	☆	احترام سادات
☆	کرامات اولیاء	☆	دنیا میں جنت
☆	محبت ومحبوبیت		میری پسند
☆	ماں کی عظمت	☆	روحانی حکایات
☆	محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے	☆	،گلدستہ حکایات
☆	علماء کا شرعی مقام اور معاشرتی حیثیت	☆	لو میرج کی شرعی حیثیت
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عشق	☆	صوفیاء اور عشق
☆	علماء اور عشق	☆	شعراء اور عشق
☆	خواص اور عشق	☆	عوام اور عشق
☆	حلاوت ایمان	☆	سلطان دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم
☆	اعزازِ محبت	☆	مدارِج اہل علم
☆	عشق حقیقی ومجازی	☆	راہِ رسمِ عشق ومحبت
☆	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ ادب ومحبت	☆	حسین محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین تذکرہ
☆	تاجدار عشق	☆	زلفوں کے اسیر
☆	تجھ سا حسین کوئی نہیں	☆	جان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
☆	باعث تسکینِ دل وجان صلی اللہ علیہ وسلم	☆	عامل اور عملیات
☆	حُسن ایماں	☆	معجزات انبیاء علیہم السلام
☆	زندگی آمد برائے بندگی	☆	میرے محسن